ISSN 2320-8600

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ • پھلواری شریف پٹنہ

اپریل - مئی - جون 2025ء

سہ ماہی مجلہ

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر

ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

DARUL ULOOM MUJEEBIA KHANQUAH

Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA)

دارالعلوم مجیبیہ کا بینک اکاؤنٹ نمبر

A/C. Name : DARUL ULOOM MUJEEBIA

A/C. No : 401205001421

IFSC : ICIC0004012

دارالعلوم مجیبیہ کا کیو آر کوڈ

معاونین حضرات اپنا زرتعاون ارسال کرنے کے لئے اسی اکاؤنٹ یا یو پی آئی، کیو آر کوڈ کا استعمال کریں۔

دارالعلوم مجیبیہ کا واٹس ایپ، موبائل اور ٹیلی فون نمبر

+91-9942000718, 0612-315-8542

دارالعلوم مجیبیہ کی ای میل آئی ڈی

DarulUloomMujeebia@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھو العزیز المجیب ولی النعم

اہل حق کا ترجمان اور امن وسلامتی کا پیامبر

سہ ماہی

المُجیب

پھلواری شریف پٹنہ

دینی، علمی وادبی مجلہ

ماہ : ذی القعدہ — محرم الحرام ۱۴۴۶/۴۷ھ

ماہ : اپریل — جون ۲۰۲۵ء

مدیر : ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

نائب مدیر : ظفر حسنین

جلد نمبر ۶۵ ✦ شمارہ نمبر ۲

مجلس ادارت

مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

مولانا محمد منہاج الدین مجیبی

پروفیسر حافظ فضل کبریا صدیقی

پروفیسر سید محمد اسعد علی خورشید

محمد فصیح الدین عاصم قادری زینبی

زرتعاون

فی شمارہ	:	-/80 روپے
سالانہ	:	-/320 روپے
رجسٹری ڈاک	:	-/530 روپے
بیرونی ممالک	:	-/$25 امریکی ڈالر

سرکولیشن مینجر : سید صہیب رضوی

مراسلت وترسیل زر کا پتہ

رابطہ : 9835654330 -91+

مینجر

”المجیب“ دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

E-mail : almujeebquarterly@gmail.com, Website : http://khanquahmujeebia.org

Cell No. : +91-9942000618, 0612-3181835

فہرست مضامین

• **لمعات**	ظفر حسنین	۳

مضامین و مقالات

• ملفوظات شیخین کاملین ـــ تعارف وخصوصیات	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	۵
• امیر شریعت حضرت مولانا سید شاہ محمد بدالدین قادریؒ	مولانا فضل القدیر قادری ندویؒ	۲۰
• مُردوں کے انتفاع کا قرآنی قانون	حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ	۵۴
• اکیسویں صدی میں تصوف کی معنویت اور امکانات	شاہ اجمل فاروق ندوی	۶۰
• کتاب ”بہار میں اردو ادب کا ابتدائی زمانہ“ ایک...(قسط:۲)	مولانا شاہ بدر احمد مجیبی	۷۱
• استدراک بر مضمون حضرت قطب الدین بینا دل جونپوریؒ	جناب شاہ ظفر الیقین صاحب	۷۵

ادبیات

• قند پارسی	حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقبؔ قادریؒ	۷۷
• نعت شریف (ترجمہ منظوم)	مولانا حافظ سید محمد فصیح الدین عاصم قادری	۷۹
• نعت شریف	جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی	۸۱
• غزل	سہیل کاکوروی	۸۳
• غزل	وارث ریاضی	۸۵
• **کوائف وحالات**	ادارہ	۸۶

لمعات

• ظفر حسنین

ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ یہ مہینہ دو خصوصیت کے اعتبار سے مسلمانوں کے لئے اہمیت رکھتا ہے اور ان دونوں کی نسبت جلیل القدر پیغمبر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہے۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سخت آزمائش ہوئی اور انہیں اپنے صاحبزادے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس سے پہلے بھی ان کی ایک بڑی آزمائش ہو چکی تھی جب توحید و بت شکنی کے جرم میں نمرود نے انہیں آگ میں ڈلوا دیا تھا اور وہ آگ حکم الہی سے گلزار بن گئی تھی۔ لیکن یہ آزمائش پچھلی آزمائش سے زیادہ بڑی تھی جب انہیں بڑے بیٹے کی قربانی پیش کرنے کا حکم دیا گیا۔ لیکن اللہ کے اس برگزیدہ پیغمبر نے کسی چون و چرا کے بغیر اس کی تعمیل کا ارادہ ظاہر کیا اور اپنے محبوب بیٹے سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا، وہ بھی اپنے والد کے تربیت یافتہ اور صدیق نبی تھے، وہ اس حکم الہی کی تعمیل کے لئے تیار ہو گئے۔ جب اللہ تعالی نے اس آزمائش میں دونوں کو کامیاب پایا تو اس کی تعمیل جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ جنت سے مینڈھا بھیج کر کرا دی۔ بقرعید کی قربانی اسی عظیم واقعہ کی یادگار ہے۔

اس مہینے کی دوسری اہم خصوصیت حج بیت اللہ ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم الہی سے خانہ کعبہ کی تعمیر مکمل کر لی تو اللہ تعالی نے انہیں حکم دیا کہ لوگوں میں حج کے لئے آنے کا اعلان کر دیں۔ لوگ پیدل اور اونٹنیوں پر سوار ہو کر دور دراز سے آئیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالی سے یہ سوال نہیں کیا کہ اس بے آب و گیاہ چٹیل میدان میں لوگ جماعت در جماعت کیسے آئیں گے؟ حکم الہی کے مطابق انہوں نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر حج کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد سے حاجیوں کی وہاں آمد کا سلسلہ جو جاری ہوا وہ آج تک جاری ہے۔ یہ حج بھی ان کی یادگار ہے، اسی وقت سے حج ہوتا چلا آ رہا ہے، اسلامی شریعت میں بھی اللہ تعالی نے اس کو جدید حکم سے فرض کیا ہے۔ اللہ تعالی ہم سب لوگوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

....

امارت شرعیہ بہار جس کو حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ نے خانقاہ مجیبیہ کے بزرگوں کے تعاون سے قائم کیا تھا اور اس کے پہلے تین امیر شریعت بھی اسی خانقاہ سے تعلق رکھنے والے اکابر علماء تھے، جنہوں نے اس کے لئے بنیاد فراہم کی اور پورے بہار

میں اس کو پھیلانے کا کام کیا۔خانقاہ مجیبیہ کے اکابرین خصوصا امراء ثلاثہ کا امارت شرعیہ کے قیام،استحکام،فروغ اور قوم کے درمیان تعارف میں اساسی کردار رہا ہے اور یہ حضرات عملی اقدام کے ساتھ بانیان امارت شرعیہ میں شامل ہیں۔

آج امارت شرعیہ کے قیام کو سو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔خانقاہ کے بزرگوں کے بعد دوسرے اکابر علماء اس کے امیر شریعت ہوتے رہے جنہوں نے اس کو ترقی اور وسعت دی،پورے ہندوستان میں اس کا اثر ورسوخ قائم ہوا۔بعد میں بہار کے تقسیم ہونے کی وجہ سے یہ امارت شرعیہ بہار،اڈیشہ و جھارکھنڈ ہوگئی۔

اسلاف کا یہ عظیم سرمایہ اور امت کی یہ عظیم دولت ونعمت آج شدید انتشار کا شکار ہے۔یہ عظیم ادارہ امیر شریعت سابع کی وفات کے بعد ہی سے طالع آزماؤں کی آماجگاہ بن گیا ہے۔پہلے کسی خاص مقصد کے تحت ابتدائی تین امیر شریعت کو جن کا خانقاہ مجیبیہ سے تعلق تھا غیر عالم کہلوایا جانے لگا۔بار بار نادانوں اور جاہلوں کے ذریعہ یہ بات کہلوائی گئی۔اخبارات اور سوشل میڈیا پر ایسے مضامین اور تحریریں منظر عام پر آئی ہیں جن میں دفاع ذات کے نام پر اکابر ماسلف کی تنقیص کی گئی ہے۔امارت کے اولین ادوار ثلاثہ کو ایک خاص زاویے سے پیش کر کے،ان پر اعتراضات کیے گئے ہیں جس سے بزرگان خانقاہ کی ذات گرامی براہ راست نشانہ بن گئی ہے۔یہ اسلوب نہ صرف نامناسب بلکہ دل آزاری کا سبب بھی ہے۔جب کہ یہ بزرگان دین مستند علما تھے اور قوم وملت میں ان کے علم وفضل کا وقار قائم تھا۔بزرگان دین کی اہانت کا نتیجہ اللہ تعالی کی طرف سے دوسری شکل میں برآمد ہوا کہ صوبہ جھارکھنڈ کے ایک عالم نے ایک جلسہ میں اپنے امیر جھارکھنڈ ہونے کا اعلان کر دیا،شدید اختلاف ہوا مگر وہ سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔پھر ابھی رمضان المبارک میں ایک دوسرے صاحب جن کا دعوی ہے کہ امارت میں ان کی چالیس سالہ خدمات رہی ہیں،انہوں نے امارت ٹرسٹ کے متعدد ممبران کے ذریعہ موجودہ امیر کو ہٹا کر اپنے امیر ہونے کا اعلان کر دیا۔اب دونوں طرف سے ایک دوسرے کو تمام مجلسوں اور کمیٹیوں سے نکالنے کا سلسلہ جاری ہے۔دونوں طرف سے ایک دوسرے پر الزامات لگائے جا رہے ہیں۔جو حضرات گورنمنٹ کورٹ کی جگہ پر دار القضاء جانے کا مشورہ دیتے نہیں تھکتے تھے آج وہ خود ایک دوسرے کے خلاف تھانے میں ایف آئی آر درج کرا رہے ہیں اور کورٹ جا رہے ہیں۔ایسے وقت میں جب امت وقف ایکٹ کے معاملہ میں حکومت سے احتجاج کر رہی ہے اس نئے درد وغم میں مبتلا ہوگئی۔افسوس صد افسوس ہے کہ بزرگان دین کے قائم کردہ اس شجر سایہ دار کو کسی کی نظر لگ گئی ہے اور امارت شرعیہ دولخت ہوگئی۔ہمارے اسلاف کی یہ میراث جس کی بنیاد اور ترقی وتوسیع میں اسلاف نے اپنی زندگیاں لگا دی تھیں آج وہ شدید خزاں کا شکار ہے۔

بد نصیبی کی بات یہ ہے کہ دوسروں کے مشورے کے باوجود دونوں طرف کے ذمہ داران مل کر مسئلہ کو حل کرنے اور اتحاد واتفاق قائم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔جب کہ یہ برابر امت کو اتحاد واتفاق کا درس دیتے رہے ہیں،آج جب اس پر خود عمل کرنے کا وقت آیا تو دو کناروں پر چلے گئے ہیں۔کوئی آگے بڑھ کر ہاتھ ملانے پر آمادہ نہیں ہے۔اگر ایسی کوئی صورت نکلتی کہ دونوں مل کر مسئلہ حل کر لیتے اور اتحاد واتفاق ہو جاتا تو یہ امت کے لئے بہت بڑی نیک فالی اور کامیابی ہوتی اور امت اختلاف وانتشار کی اس کیفیت سے نکل جاتی۔مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

ملفوظات شیخین کاملین ـــــ تعارف و خصوصیات

● حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

ادب اسلامی کا دائرہ صرف زبان کی اصلاح و درستگی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کے وسیع مفہوم میں زندگی اور بندگی کے وہ آداب شامل ہیں جن کے بغیر نہ عمل ظاہری کی اصلاح ممکن ہے نہ قلب کی کجی دور ہو سکتی ہے، محدثین کتاب الادب کے زیر عنوان جو حدیث جمع کرتے ہیں، وہ اسلامی ادب پر مشتمل ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ادبنی ربی فاحسن تادیبی، ادب اسلامی کی طرف اشارہ ہے کہ مجھ کو میرے رب نے ادب سکھایا اور حسن ادب کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا۔ حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الشریف کا قول ''ادب عیالك ینفعھم'' اپنی اولاد کو ادب سکھاؤ، ان کے لیے سودمند ہوگا۔ اسی مفہوم میں ہے کہ وہ ادب حاصل کیا جائے جو مسلمان کی زندگی کو خوبیوں کا مجموعہ بنا دے اور عرفان رب کی دولت سے مالا مال کر دے۔

اسلام کا حقیقی ادب سیرت نبوی کے بعد بزرگوں کے تذکروں اور ان کے ملفوظات و فرمودات میں ملتا ہے وہ بندگی کا ادب سکھا کر عبد کو عبدُہٗ کے مقام تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر ❁ ما سراپا انتظار او منتظر

یہی وہ ادب ہے جس سے محروم رہنے والا فضل رب سے محروم رہتا ہے۔

زیر نظر مقالہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے دو بزرگوں حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ مجیب اللہ قادری اور ان کے صاحبزادہ و جانشین حضرت مخدوم شاہ نعمت اللہ قادری قدس سرہما کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ تاج العارفین شاہ مجیب اللہ قادری، خانقاہ مجیبیہ کے بانی تھے، ان کی ولادت ۱۰۹۸ ہجری میں اور وفات ۱۱۹۱ ہجری میں ہوئی۔ وہ اپنے زمانے کے مرجع خلائق اور سلسلہ ہائے طریقت کے جامع شیخ تھے، اسی کے ساتھ صاحب درس عالم تھے، پھلواری شریف میں آپ کی قائم کردہ درسگاہ دارالعلوم مجیبیہ اور آپ کا قائم کردہ کتب خانہ جو گراں قدر مخطوطات پر مشتمل ہے آپ کی علمی یادگار ہے۔

مصنف بحر ذخار آپ کے متعلق رقمطراز ہے:

''میر جان علی فرزند سید عبدالواحد بلگرامی برگزارد کہ من بخدمت آنحضرت رسیدہ ام از غایت ریاضات وجودش تودۂ نور بود واز نہایت صفائی قلب، آئینۂ جہاں نما در بغل داشت، اظہار مجاہداتش زائد از امکان تحریر و بیان کمالاتش بری از احاطۂ تقریر......الخ

سید عبدالواحد بلگرامی کے صاحبزادے میر جان علی کا بیان ہے کہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، غایت ریاضت سے ان کا وجود تودۂ نور معلوم ہوتا تھا۔ صفائی قلب کی وجہ سے اپنے بغل میں آئینۂ جہاں نما رکھتے تھے، ان کے مجاہدات و کمالات کا بیان امکان سے باہر ہے۔

حضرت کے ایک مرید وخلیفہ شاہباز طریقت مولانا شاہ خدا بخش متوفی ۱۲۳۱ھ نے اپنے ایک مرید شاہ مجیب علی بنارسی کو ۱۲۲۹ھ میں اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ مجیب اللہ صاحب کے کچھ فرمودات املاء کرائے تھے جو انہوں نے خود حضرت سے سنے تھے، اس مجموعۂ ملفوظات کا نام جامع ملفوظ شاہ مجیب علی بنارسی نے ''گلشن عارفین'' رکھا، ملفوظات کا ایک نسخہ کتب خانہ مجیبیہ بدریہ پھلواری شریف میں محفوظ ہے جو مرتب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے،

دیباچہ میں کاتب و مرتب نے لکھا ہے کہ حضرت شاہ خدا بخش قدس سرہ نے فرمایا:

''انچہ فقیر از زبان گوہر فشان و از لسان عذب البیان حضرت پیر و مرشد نور اللہ مرقدہ فیضیاب شدہ و استماع یافتہ بیان خواہد کرد آں را ترقیم نمائید''

ملفوظات میں دنیا کی بے ثباتی، اللہ سے تعلق و محبت، فنا و بقا، فقر و درویشی وغیرہ کو مختلف پیرائے میں موثر انداز میں بیان کیا گیا ہے، قصص و حکایات نے۔ اس میں مزید تاثیر و دل نشینی پیدا کر دی ہے۔

دنیا کی بے ثباتی کو ایک تمثیل کے ساتھ بیان فرمایا۔ حضرت شاہ خدا بخش فرماتے ہیں:

از جناب حضرت تاج العارفین آفتاب طریقت رسول نما یاد دارم کہ می فرمودند'' صبح دم شخصے در تختۂ گلاب رفت، بسیار گلہائے شگفتہ و تر و تازہ و خندہ زن یافت از تماشایش فرحت دل و دماغ حاصل نمود بعد دیرے از نظارۂ آں چوں سیری طبیعت گردید مراجعت خانہ ساخت، آں شخص کہ کیفیت گلزار بمرتبہ یافتہ بود روز دیگر باز در آں تختۂ گلاب آمد دید کہ ہیچ گلے شگفتہ نیست بجائے گلہا غنچۂ تنگ دل سرنگوں در الم و اندوہ، حیراں آمد، آں شخص از باغباں پرسید کہ دیروز گلہائے کہ شگفتہ بودند چہ شد، باغبان آہے پر درد از سینۂ سرد بکشید و گفت اے شخص احوال گلہائے دوشینہ از من میرس بیا ترا بنمایم، آں شخص ہمراہ باغباں آمدہ دید کہ طرفے بر کنار تختۂ چمن دیگے بر دیگدان نہادہ سر پوش محکم کردہ زیر او آتش تیز و تندمی نمایند۔ آں شخص پرسید کہ ایں چہ معاملہ است، باغباں گفت کہ دیروز گلہائے شگفتہ کہ تو دیدہ بودی گلہا زمانے خود را دیدہ بر آب و رنگ و حسن و تر و تازگی خود خندیدہ بودند۔ عوض خندۂ خود بینی شاں ہمہ را از درخت جدا کردہ در دیگ انداختہ می جوشانند و عرق او می کشند کہ عبارت از گلاب است، اے شخص

برخندۂ یک ساعت دررنج ومحن گرفتار،وغنچہ ہائے تنگ دل وسرنگوں کہ من دیدی ۔از دیدہ احوال گلہادر حیرت آمدکہ فردا ازشگفتگی طبیعت مبادامایان نیز بدیں حال برسم۔

اے جان من درکلام مجید خبراست فَلۡیَضۡحَكُوۡا قَلِيۡلًا وَّلۡيَبۡكُوۡا كَثِيۡرًا خوشی وخرمی دنیابے بنیاد،شادوخرم خنداں مباش،درفراق دوست چوں عندلیب شیدابانالۂ حزن وملال بانوحۂ فغاں بنال وازعلایق دنیاچوں سروآزادباش کہ سروباوجود خوش قامتی وسرفرازی ہیچ تعلق انبوہ شاخہاوکثرۂ ثمرندارد لہٰذادر بہاروخزاں یکساں می ماند۔تونیزاے یاررنج وراحت دنیابرابر شماروبسان قمری ،طوق بندگی وتسلیم درگردن خوداندازچوں نسیم سحری باصداءآہ بساز۔

مجھے یاد ہے کہ حضرت تاج العارفین آفتاب طریقت رسولنما فرماتے تھے کہ ایک شخص صبح صبح گلاب کے کنج میں گیااور بہت سے گلہائے شگفتہ وخنداں دیکھے،اس سے اس کے دل و دماغ کو فرحت حاصل ہوئی،جب اس نظارے سے اس کی طبیعت سیر ہوگئی تو وہ گھرواپس لوٹ گیا،چونکہ سیرگستان سے اس کو فرحت حاصل ہوئی تھی،اس لئے دوسرے دن پھر وہ آیا تو دیکھا: ایک پھول بھی کھلا ہوا نہیں ہے، پھولوں کے بجائے افسردہ دل کلیاں غم واندوہ میں سرنگوں ہیں،اس شخص نے حیران ہوکر باغبان سے پوچھا کہ کل جو کھلے ہوئے پھول تھے،کیا ہوئے؟ باغبان ایک آہ پردرد کھینچ کر بولا:ان پھولوں کا حال مجھ سے نہ پوچھو،آؤ میں تم کو دکھاؤں:وہ شخص باغبان کے ساتھ آیا تواس نے دیکھا کہ باغیچہ کے کنارے ایک دیگ رکھا ہےاوراس کے نیچے آگ جل رہی ہے،اس نے پوچھا یہ کیا ہے؟ مالی نے کہا کل جوتم نے کھلے ہوئے پھول دیکھے تھے،وہ سب اپنے آب و رنگ اورحسن وتازگی پر بہت خوش ہورہے تھے،ان کے اس خندۂ خود بینی کے سبب ان سب کو درخت سے توڑ کرایک دیگ میں ڈال دیا ہے ۔اوران کو جوش دے کرعرق کشید کر رہے ہیں جس کو عرق گلاب کہتے ہیں ۔اے شخص! یہ سب ایک لمحے کی ہنسی پررنج ومحن میں گرفتار ہیں جن غنچہ ہائے نوشگفتہ کوتم دل پریشاں اورسرنگوں دیکھ رہے ہو،پھولوں کا حال دیکھ کرعالم حیرت میں ہیں کہ کل ہم بھی خوشی ومسرت کے جرم میں اسی حال کو نہ پہنچ جائیں۔

اے جان من! کلام مجید میں خبر ہے فَلۡیَضۡحَكُوۡا قَلِيۡلًا وَّلۡيَبۡكُوۡا كَثِيۡرًا دنیا کی خوشی ومسرت بے بنیاد ہے،یہاں شادوخنداں نہ رہو،فراق دوست میں بلبل شیدا کی طرح حزن وملال کے ساتھ آہ وزاری کرو،علایق دنیا سے سرو کی طرح آزاد رہو، سرو باوجود خوش قامتی وسرفرازی کے درختوں اورکثرت ثمر سے بے تعلق رہتا ہے،اسی لئے بہاروخزاں اس کے لئے یکساں ہے۔اے یارتو بھی رنج وراحت دنیا کو برابر سمجھ،قمری کی طرح بندگی وتسلیم کا طوق اپنی گردن میں ڈال لے،نسیم سحر کی طرح صدائے آہ خو کرلے۔

یہ بے ثبات اورتغیر پذیر فانی دنیادل لگانے کی جگہ نہیں ہے،اس سلسلے میں ارشادفرمایا۔

اے عزیز از جان من!

بہ دنیا دل نہ بندد ہر کہ مرد است ❁ کہ ایں فانی سرا اندوہ و درد است

اے برادر تو غریب ہستی برائے چند روزہ در دنیا چہ دل بندی، چنانچہ غریب متر صدو مستعد وصول وطن اصلی خود باشد، بزینت وز خارف شہر دیگراں دل مبند و بداں قرار و آرام مگیر دل غریب برائے وطن خود وصول او ہموارہ متعلق بود تو نیز در دنیا غریبی، دل خود را برائے دیدار کردگار متر صدو متعلق مرگ دار۔

غریب در حصول غرض رنج خود مسارعت و مبادرت می نماید تا باہل خود بے نوا و تہی دست نہ پیوندد تو نیز در وحدانیت و عمل صالح مسارعت و مبادرت نمائی تا فردائے قیامت بحضور معبود بے نوا تہی دست خائب و خاسر نہ پیوندی و غریب از کربت غربت و حرقت و فرقت احباب وطن خود مدام در ماتم و اندوہ بے قرار و بے آرام باشد۔ تو نیز از سوز فرقت قربت حضرت عزت می سوز۔

اے بھائی! تم یہاں اجنبی ہو، چند روز کے واسطے دنیا میں دل نہ لگاؤ، جس طرح اجنبی مسافر اپنے وطن اصل پہنچنے کی تیاری اور اہتمام میں مصروف ہوتا ہے، دوسرے شہروں کی زیب وزینت میں دل نہ لگاؤ اور یہاں آرام وقرار اختیار نہ کرو۔ جس طرح اجنبی مسافر کا دل ہمیشہ اپنے وطن کے فکر وخیال میں لگا رہتا ہے، تم بھی اجنبی مسافر ہو، اپنے دل کو اپنے پروردگار سے ملنے کے لئے موت کے فکر وخیال میں لگا رکھ۔ جس طرح ایک اجنبی اپنے مقصد کی تکمیل میں عجلت پسندی اور بے تابی سے کام لیتا ہے کہ اپنے اہل سے خالی ہاتھ نہ ملے، تم بھی وحدانیت اور عمل صالح میں عجلت اور سبقت سے کام لو تا کہ کل بروز قیامت اپنے رب کے پاس تہی دست اور خائب و خاسر ہو کر نہ پہنچو۔ جس طرح غریب الوطن اپنی غریب الوطنی کی صعوبت اور دوستوں کے فراق میں ہمیشہ غمزدہ رہتا ہے اور آرام وسکون نہیں پاتا۔ تم بھی حضرت عزت جل وعلا کے آتش فراق میں جلتے رہو۔

شاہراہ حیات پر چلنے والے کو ایک ایسے مسافر سے تشبیہ دیتے ہوئے جو شوق وطن میں سفر کی تکلیف اٹھا کر جلد سے جلد وطن پہنچنا چاہتا ہے اور خطرات راہ سے بچنا بھی چاہتا ہے فرمایا:

تو نیز مجاہدات و مشقت مخالفت نفس امارہ اختیار کن شب و روز از سیر و آرام قرار مگیر و عجز و ابتہال بنال۔

تم بھی ریاضت و مجاہدہ اور نفس امارہ کی مخالفت کی تکلیف اٹھاؤ اور سیر و آرام کے ذریعہ سکون نہ ڈھونڈو اور عاجزی کے ساتھ گریہ وزاری کرو۔

اسی طرح ایسے مسافر کی مثال بیان کرتے ہوئے جو سفر میں رہزنوں سے ہمیشہ ہوشیار اور محتاط رہتا ہے اور اپنے مال و اسباب کی حفاظت سے کسی لمحے غافل نہیں ہوتا، فرمایا:

تو نیز حازم و ہوشیار باش و پاسبانی دل خود بکن و در عبادت پاس انفاس بکوش تا شیطان در نیاید و متاع ایمان و معرفت نہ رباید و در عبادت پاس انفاس خلل نیفگند و نقد دل نرباید۔

تم بھی محتاط و ہوشیار رہو اور اپنے دل کی حفاظت و نگرانی کرتے رہو اور پاس انفاس کی کوشش ہمیشہ جاری رکھو

تا کہ شیطان تمہارے قریب نہ آئے اور تمہارے ایمان ومعرفت کی دولت اچک نہ لے جائے اور تمہاری عبادت پاس انفاس میں خلل نہ ڈالے اور تمہارا نقد دل لے نہ اڑے۔

فقر جس کی ارباب تصوف واحسان کے یہاں بہت اہمیت ہے، اقبال نے اس کو فقر حجازی سے تعبیر کیا ہے، اس فقر حجازی سے متصف فقیر کی تعریف حضرت تاج العارفین قدس سرہٗ کی زبان سے سنئے:

بزرگان سابقین فرمودہ اند کہ در ہر فقیرے کہ در و چہار صفت موجود است حقا کہ او فقیر است۔

صفت اول، لال وگنگ کند زبان را از غیبت و بہتان وفحش واظہار عیب بندگان خدائے تعالیٰ واظہار سر دوست از غیرے بجز حمد وثنائے باری تعالیٰ وذکر اذکار وکلمۃ الخیر در حق برادر مومنان وبندگان خدا زبان را نہ جنباند ودر توقیر وتوصیف دنیا و نفس زبان را گنگ ولال کرد۔

صفت دوم۔کور ساز د چشم ہا را از دیدن عیبہا وبدی ہائے خلق اللہ کہ مطمح حرام باشد وغیر شرعی کہ دراں خوشنودی حق تعالیٰ نبود، از ہمہ، بدترین ومعیوب خود را و نفس خود را بیند وداند۔

صفت سوم۔کر ساز د گوش ہا را از شنیدن عیب وغیبت خلق اللہ وناشائست ونیک وبد دنیا انچہ شود از دوست بشنود، زیرا کہ جمیع وحوش وطیور ونباتات وجمادات ومعادن ہمہ ہا مشغول بذکر وتسبیح حق تعالیٰ جل وعلا ہستند بقول عرفی ؎

ہر گیاہ کہ برزمین روید ۞ وحدہ لا شریک لہ گوید

صفت چہارم۔لنگ ساز د پائے را، زیرا کہ جائے ناشائست رفتن نتواند ومحفوظ از رفتن بر درواز ۂ اغنیاء واہل دول۔

ایں چہار صفت کہ مذکور شد اگر در فقیری معدوم بود وبرخلاف ایں بود آں فقیر نیست، دروغ زن ومدعی وکذاب است۔

بزرگان ماسبق کا قول ہے کہ جس شخص میں چار صفتیں موجود ہوں وہ درحقیقت فقیر ہے۔

پہلی صفت یہ ہے کہ زبان کو غیبت، بہتان، فحش گوئی اور بندگان خدا کی عیب جوئی سے گونگی بنا کے رکھے، اور اسرار حق کو دوسروں سے نہ کہے، باری تعالیٰ کی حمد وثنا اور ذکر واذکار کے سوا اور مسلمان بھائیوں اور دیگر بندگان خدا کے حق میں کلمہ خیر کے سوا کچھ نہ کہے، دنیا اور نفس کی توقیر وتوصیف سے بھی زبان بند رکھے۔

دوسری صفت یہ ہے کہ خلق اللہ کی برائیوں اور عیوب کو دیکھنے سے جو خلاف شرع اور حرام ہیں اور جس کے دیکھنے سے خوشنودی حق تعالیٰ حاصل نہیں ہے کور چشم رہے، خود کو اور نفس کو سب سے برا اور پر عیب تصور کرے۔

تیسری صفت یہ ہے کہ خلق اللہ کے عیب اور ان کی غیبت سننے سے کانوں کو بہرا کر لے۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ غیر مناسب مقامات پر جانے سے پیروں کو لنگ بنا کے رکھے اور اغنیاء واہل دولت کے دروازہ پر جانے سے اجتناب کرے۔

یہ چار صفتیں جس فقیر میں نہ پائی جائیں بلکہ اس کے برعکس ہوں وہ فقیر نہیں ہے، دروغ گو اور مدعی وکذاب ہے۔

دنیاداراں کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ایک دوسرے موقع پر دل چسپ بات فرمائی:

فقیر را از اہل دنیا سوائے رنج و اذیت ہیچ حصول نیست، اکثر آمدہ بدون طلب مطلب دنیا دیگر کلام نہ نمایند ومیگویند کہ در وقت خاص خود برائے من دعا کنید کہ فلاں مقصودش برآید ایں نمیدانند کہ وقت بدست آمدن دشوار و ہر گاہ کہ وقت بہم رسید ووصل یافت آں زماں خود می ماند؟ ہر گاہ کہ خود نماند یادغیر ومقصودش کجا ولعنت برآں کسے کہ در آں وقت یادغیر بماند، در آں وقت کہ تعلق بیادغیر وطلب مقصداو یاد آمد حیف برآن وقت است، مشہور است کہ گفتہ اند ؎

اگر یابم ترا تنہا، و جائے ہم بود تنہا ❁ ز شادی دست و پا گم می کنم خود را نمی یابم

فقیر کو اہل دنیا سے رنج وتکلیف کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اکثر لوگ آتے ہیں تو دنیوی مقاصد کے حصول کے سوا کوئی بات نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ اپنے خاص وقت میں میرے لئے دعا کیجئے کہ میرا فلاں مقصد پورا ہو، یہ نہیں جانتے کہ وقت کا ہاتھ آنا ہی بہت مشکل ہے، اگر وقت میسر آیا اور وصل نصیب ہوا تو خود اپنی ذات کہاں یاد رہے گی؟ اور جب اپنی ذات ہی گم ہوئی تو دوسرے کی یاد اور اس کا مقصود کیسے یاد رہ سکتا ہے؟ لعنت ہے اس شخص پر جو اس وقت خاص میں بھی غیر حق کو یاد رکھے جس وقت میں یادغیر حق سے تعلق ہو اور طلب مقصد یاد آئے اس وقت پر افسوس ہے، مشہور ہے جو لوگوں نے کہا ہے۔

اگر میں تجھے تنہا پاؤں اور جگہ بھی تنہائی کی میسر ہو تو خوشی میں ایسا گم ہو جاؤں گا کہ مجھے اپنے آپ کا بھی خیال نہیں رہے گا۔

مقام عبدیت، بلند مقام ہے، یہ تسلیم و رضا، اطاعت و انقیاد اور ''ہر چہ از دوست می رسد نیکو است'' سے عبارت ہے، بقول اقبال ؎

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزومندی ❁ مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

اہل معرفت اس کی تمنا کرتے ہیں، کیوں کہ بندگی سوز دروں ہے، عشق ومحبت ہے اور درد جگر ہے۔ شاعر مشرق کے لطیف احساسات اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

خدائی اہتمام خشک و تر ہے ❁ خداوندا خدائی درد سر ہے
ولیکن بندگی استغفر اللہ ❁ یہ درد سر نہیں درد جگر ہے

حضرت شاہ خدا بخش راوی ہیں کہ

دریں مقدمہ بخدمت فیض درجت پیرو مرشد دام برکاتہ جناب حضرت تاج العارفین آفتاب طریقت رسول نما قدس اللہ سرہٗ العزیز عرض نمودم فرمودند کہ عبد شدن بسیار مشکل است زیرا کہ ہیچ شئ بمرتبۂ عبدیت نمی رسد محمود شدن سہل و ایاز شدن مشکل۔

اس سلسلے میں بخدمت فیض درجت پیرو مرشد جناب تاج العارفین آفتاب طریقت رسول نما قدس سرالعزیز سے میں نے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ عبد ہونا بہت مشکل ہے، کیوں کہ کوئی شئ عبدیت کے مرتبے کو نہیں پہنچتی۔ محمود ہونا آسان ہے ایاز ہونا دشوار۔

اسی ضمن میں سلطان محمود اور اس کے چہیتے غلام ایاز کے تسلیم وانقیاد کا واقعہ بیان فرمایا اور آخر میں بندگی کے آداب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اے عزیز من ایں نکتہ را در یاب ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش ❁ عذر بدرگاہ خدا آورد

حق عبدیت از یں دور تر و زیادہ تر است اگر زیادہ نشود مانند ایاز بجا آر۔

اے عزیز! اس نکتے کو سمجھو، بندہ وہی بہتر ہے جو اپنی کوتاہیوں پر بارگاہ خداوندی میں معذرت خواہ اور پشیماں ہو۔ حق عبدیت اس سے زیادہ اونچی چیز ہے، اگر عبدیت کا یہ مرتبہ تم کو حاصل نہ ہو سکے تو کم از کم ایاز ہی کی طرح حق بندگی ادا کرو۔

شاہ مجیب علی بنارسی بیان کرتے ہیں کہ

روزے از غلامان حضرت ایشاں (شاہ خدا بخشؒ) دلیر علی خاں وخواجہ محمد حسن رفو گرو محمد یوسف وفقیر مجیب علی ومیاں ہدایت علی طالب علم حاضر بودند، فقیرے از یاران اچھے میاں مارہرہ والے، بنام محمد آمدہ، ملازمت حاصل کرد، سوال نمود کہ روح در جسم چہ چیز است حضرت ایشاں فرمودند کہ من از زبان درافشان حضرت تاج العارفین شاہ محمد مجیب اللہ ادام اللہ تقواہ مسموع یافتم کہ دریں مقدمہ می فرمودند کہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ در راہ می رفت، طفلے دوازدہ سالہ چراغ روشن کردہ می آورد خواجہ حسن بصری پرسیدند کہ ایں روشنی از کجا آوردی طفل فی الفور چراغ را گل کرد وگفت از جائیکہ آوردہ بودم ہماں جا رفت، خواجہ در سکوت ماند۔ اے عزیز من دریں سریست بزرگ۔

ایک دن غلامان حضرت ایشاں (یعنی شاہ خدا بخش) دلیر علی خاں وخواجہ محمد حسن رفو گرو محمد یوسف وفقیر مجیب علی ومیاں ہدایت علی طالب علم حاضر تھے، اچھے میاں مارہرہ والے کا مرید خدمت میں حاضر ہوا، اس نے سوال کیا کہ روح جسم میں کیا چیز ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ میں نے حضرت تاج العارفین شاہ مجیب اللہ ادام اللہ تقواہ کی زبان درافشان سے سنا ہے، اس سلسلے میں فرمایا کہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ راستے میں جا رہے تھے، ایک بارہ سالہ بچہ جلتا ہوا چراغ ہاتھ میں لئے چلا آ رہا تھا، خواجہ حسن بصری نے پوچھا کہ یہ روشنی تم کہاں سے لائے، بچے نے فوراً چراغ بجھا دیا اور کہا: جہاں سے لایا وہیں چلی گئی۔ خواجہ حسن بصری چپ رہ گئے۔ اے عزیز اس میں ایک بڑا راز ہے۔

دنیا وآخرت کے سارے کام محض اللہ تعالی کے فضل وکرم سے انجام پاتے ہیں، اس لئے بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ نگاہ

نتائج عمل اور استحقاق پر نہ ہو، بلکہ اس کے فضل پر ہو، چنانچہ اللہ تعالی کے فضل وکرم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

کار بر عنایت است باقی بہانہ، چوں او می خواہد در گام اول بہ منزل مقصود می رساند، ہر گاہ کہ نسیم کریمی ورحیمی لطف او می وزد صد ہزاراں کافر را در اسلام آوردہ بر جادۂ شریعت نہادہ اولیاء کامل گرداند و اگر سموم قہاری و جباری سرکشد صد ہزار صاحب سجادہ را در ضلالت اندازد۔ نعوذ باللہ منہا

کام محض اللہ کی عنایت پر منحصر ہے باقی بہانہ ہے، جب وہ چاہتا ہے تو پہلے ہی قدم میں منزل مقصود پر پہنچا دیتا ہے، جب اس کے رحیمی وکریمی کی باد نسیم چلتی ہے تو لاکھوں کافروں کو اسلام میں داخل کر کے جادۂ شریعت پر لا کھڑا کرتی ہے۔ اولیاء کامل بنادیتی ہے اور اگر قہاری وجباری کی باد سموم سرکش ہوئی تو ہزاروں صاحبان سجادہ ضلالت وگمرہی میں جا پڑتے ہیں۔ نعوذ باللہ منہا۔

آدمی کی قدر وعزت اس کے دین وایمان کی وجہ سے ہونی چاہیے، کیوں کہ ایمان ہی ایک انسان کی ذات میں جوہر قابل ہے، اس لئے مسلمانوں کے باہمی تعلقات اسلامی آداب اور اسلامی طریق ومناہج پر ہونی چاہئیں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت وتکریم اس کے دین وایمان کی بنا پر کرے، چنانچہ اس سلسلے میں اپنے فرزند گرامی مخدوم شاہ نعمت اللہ صاحب کو اکرام مسلم کی حسب ذیل تلقین فرمائی۔

تا زمانے کہ انکشاف خاتمۂ امر خلق از سعادت وشقاوت دست ندہد نہ شاید کہ در تعظیم کسے قصورے کنی چہ دانی کہ مآل کار وے چوں باشد، بسا طالح صالح روند و عاقبت بخیر برند و بسا صالح طالح روند و باشقاوت برخیزند، چوں حق تعالیٰ بایں مرتبۂ خواہد رساند تفریق ہر فریق مضایقہ ندارد۔۔۔ (تذکرۃ الکرام، ص: ۱۶۱)

جب تک مخلوق کے ایمان وکفر اور سعادت وشقاوت کا معاملہ تم پر منکشف نہ ہو جائے کسی کی تعظیم میں کمی کرنا تمہارے لئے مناسب نہیں ہے، کیوں کہ تم کو کیا معلوم کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ بہت سے طالح صالح ہو جاتے ہیں اور ان کی عاقبت بخیر ہوتی ہے، اور بہت صالح طالح ہو جاتے ہیں اور شقی ہو کر دنیا سے اٹھتے ہیں۔ جب حق تعالیٰ تم کو اس مرتبے پر پہنچا دے کہ تم لوگوں کے خاتمے سے واقف ہونے لگو تو شقی وسعید دونوں میں تفریق سے کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت مخدوم شاہ نعمت اللہ قادری قدس سرہ حضرت شاہ مجیب اللہ صاحب کے چھوٹے صاحبزادے اور جانشیں تھے، ان کی ولادت ۱۱۶۰ھ میں اور وصال ۱۲۴۷ھ میں ہوا۔ وہ اپنے زمانے کے نامور شیخ تھے، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہ کے معاصر اور ان کے ہم عمر تھے، ملفوظات عزیزی میں ان کا ذکر مدح کے ساتھ ہے، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کے ایک مرید طویل سیاحت سے واپس آئے تو حضرت شاہ صاحب نے ان سے پوچھا کہ وہ اس سفر میں کن اہل کمال سے ملے؟ اس نے بتایا کہ ہنوز ڈھاکہ سے دہلی تک مشائخ بزرگوں سے ملتا چلا آرہا ہوں، ان سے ارشاد بھی سنے اور توجہ بھی حاصل کی، میں نے ان سب بزرگوں کے طبقہ (مرتبہ ودرجات) کا اندازہ لگا لیا ہے، اس ضمن میں انہوں نے مختصر احوال بزرگان ڈھاکہ اور

شاہ غلام علی صاحب کا بیان کیا اور کہا: میں شاہ اچھے صاحب کو بہ اعتبار علم و عمل کے طبقۂ ثانی میں اس کا اہل سمجھتا ہوں اور اس کے بعد شاہ نعمت اللہ ساکن پھلواری کو ـــ(ملفوظات شاہ عبدالعزیز ترجمہ اردو مطبوعہ ۱۹۶۱ء کراچی پاکستان)

اسی طرح کے تاثرات مراکش کے ایک متجر عالم مولانا محمد ادریس مغربی کے ہیں جو سیر وسیاحت کا طویل عرصہ روم، شام وحجاز میں گزار کر پھلواری پہنچے تھے، اور بہت دنوں تک پھلواری خانقاہ میں رہ کر حضرت سے استفادہ کیا تھا ان کے الفاظ ہیں:

شام وروم وحجاز و بندر ہا چندانکہ سیر کردہ ام کم کسے سیاحت کردہ باشد و در ہر شہرے کہ رسدہ ام از رؤساء وارکان آں جا علی الخصوص باطایفۂ درویشاں و علما وفضلا ملاقات کردہ ام و بسے نوادرات دیدہ ام لیکن کاملے کہ طالب زیارت وے شدم و استفاضہ از حضرت وے سعادت ابدی شمارم بجز سہ کس نیا فتم یکے شیخ ما کہ در حرم شریف است، و دیگر بزرگے در مصر، و سوم حضرت شاہ نعمت اللہ، تا حال نظیر ایں سہ کس ندیدم۔

شام وروم اور بلاد ساحل کی جتنی سیاحت میں نے کی کسی نے کم کی ہوگی۔میں جس شہر میں پہنچا، وہاں کے رؤسا وحکام بالخصوص درویشوں اور علما وفضلا سے ضرور ملاقات کی اور بہت سی نادر چیزیں دیکھیں، لیکن جس مرد کامل کی مجھے تلاش تھی جس سے استفاضہ میں اپنی ابدی سعادت سمجھتا ہوں، تین بزرگوں کے سوا وہ کمال میں نے کہیں نہیں پایا، ایک ہمارے شیخ جو حرم شریف میں ہیں، دوسرے ایک بزرگ مصر میں ہیں، تیسری شخصیت حضرت شاہ نعمت اللہ صاحب کی ہے، اب تک میں نے ان تینوں کی نظیر نہیں پائی۔

حضرت شاہ کریم عطا چشتی سلونی قدس سرہٗ، آپ کا ذکر بلند الفاظ میں کرتے تھے، ان کے تاثرات میں یہ جملے قابل ذکر ہیں:

دریں زمانہ فقر وفقیری منحصر در خاندان شاہ نعمت اللہ ولی است او قطب زمان ما است وتجلی حضرت الوجود دراں جا است ـــ(تذکرۃ الکرام، ص: ۵۷۵)

اس زمانے میں فقر وفقیری خاندان شاہ نعمت اللہ ولی میں منحصر ہے، وہ قطب زمانہ ہیں، وہاں ذات واجب الوجود کی تجلی ہوتی ہے۔

مخدوم شاہ نعمت اللہ قادری کے فقر وعرفان کا شہرہ تھا۔علما ومشائخ ان کی ملاقات کو آتے اور مل کر مسرور ومتاثر ہوتے، ۱۲۳۹ھ میں حضرت سید احمد شہیدؒ اپنے سفر بہار کے موقع پر پھلواری آ کر آپ سے ملاقات کی، اور یہ ملاقات حضرت سید احمد شہید کی خواہش پر تخلیہ میں ہوئی، سیرت سید احمد شہید میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، آپ اخلاق ومحبت سے پیش آئے اور خاطر مدارات کی، حضرت سید احمد شہیدؒ آپ کی ملاقات سے خوش ہو کر اٹھے، اس ملاقات کا تاثر اتنا گہرا تھا کہ مولانا شاہ اسمعیل شہید دہلوی کو بھی ملنے کا اشتیاق ہوا اور دوسرے دن وہ بھی آئے۔

حضرت مخدوم شاہ نعمت اللہ اپنے والد ماجد کے تربیت یافتہ جامع شریعت وطریقت تھے، آپ کے ملفوظات

میں اخلاص وللہیت، اتباع شریعت، ورع وتقویٰ اور ذکر الٰہی کی تعلیم وتلقین ملتی ہے، آپ کے وابستگان سلسلہ اور صاجزادوں نے آپ کے حالات وملفوظات قدرے تفصیل کے ساتھ قلمبند کئے ہیں، حضرت کے کچھ ملفوظات یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

اخلاص

مولانا شاہ ابوالحیوۃ پھلواروی لکھتے ہیں کہ

شاہ غلام بیکھ کہ منتسب بفرزندی حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ ومتوطن قصبۂ امجھر شریف اند، گفتند کہ روزے در مسجد ادعیہ وآیات بہر حاجات دینی ودنیوی بعد مقروات فرض بہ خفامی خواندم، آنحضرت مکرر بہ سوئے ما دید چوں شب درخلوت حاضر شدم فرمود چہ می خواندی عرض حال کردم ارشاد نمود کہ نزد علماء ظواہر تفسیر آیۃ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا چنانکہ درکتب نوشتہ اند نیکو می دانی و بنا بر تجویز اجرت حفاظ درتراویح و چہارم میت وغیرہ نمی کنند امانزد صوفیان آنست کہ برائے حاجت دین ودنیا ہم نباید خواند کہ ایں بیع وشراء است ولاریب درمقابلہ کلام حق تعالیٰ طلب ہمہ ماسوائے او ثمن قلیل است ہرچہ از آیات خوانند محض رضاءً للہ خوانند عقب آں حق تعالیٰ ہرچہ بخشد عطیۂ محض دانند۔

شاہ غلام بیکھ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد میں بعد فرض نماز اپنے دینی ودنیوی مقاصد میں کامیابی کی کچھ دعائیں اور آیتیں آہستہ پڑھ رہا تھا، حضرت نے چند بار میری طرف دیکھا، جب میں بوقت خلوت حاضر ہوا تو فرمایا کہ کیا پڑھ رہے تھے؟ میں نے عرض کیا، تو فرمایا علما کے نزدیک آیۃ کریمہ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا کی تفسیر وہی ہے جو کتابوں میں لکھی ہے، تم جانتے ہو اور اسی بناء پر حفاظ کی تراویح میں اجرت اور چہارم میت میں ختم قرآن کی اجرت جائز ہے، لیکن اہل تصوف کے نزدیک اس آیۃ کریمہ کی تفسیر یہ ہے کہ دینی و دنیوی مقاصد کے حصول کے لئے بھی نہ پڑھیں، کیوں کہ یہ بھی بیع وشراء میں داخل ہے اور بلا شبہ کلام حق کے مقابلہ میں جو کچھ بھی طلب کیا جائے، وہ ثمن قلیل ہی ہے، کرنا یہ چاہئے کہ جو آیتیں بھی پڑھی جائیں، محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھی جائیں اس کے بعد جو حق تعالیٰ بخشے، اس کو محض اس کا عطیہ سمجھیں (نہ کہ عوض)۔

حسن نیت

ایک دوسرے موقع پر حسن نیت کی اس طور پر تعلیم فرمائی۔

درہر کار نیت شرط است، خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ را مریدے بود، انزوائے محض اختیار کردہ ودر بروئے خلق بستہ، روزے خواجہ بہ دیدنش رفت چوں درحجرہ درآمد شبکہ دید، پرسید کہ ایں شبکہ چرا بہ دیوار داشتہ ای عرض کرد کہ بہ نظر روشنی وہوا کہ گاہ گاہ درگرما متاذی می شدم، خواجہ فرمود کہ وائے برتو وصد افسوس برتو، اگر ایں شبکہ بہ نیت شنیدن آواز اذان ونماز کردی ہم مثاب می شدی وہم روشنی وہوا کہ مقصود تو بود حاصل بود، اکنوں کہ محض بہ نیت ہوا وروشنی ایں شبکہ کردی، کار دنیا کردی کہ دراں دین را دخلے نشد و درعین انزوا گرفتار دنیا شدی، پس ہر بشر مومن را باید کہ درہر کار نیت را ملاحظہ کند ودنیا را درتبع دین اندازد و انما الاعمال

بالنیات مدار کارساز د ــــ(تذکرہ،ص: ۵۰۷)

ہر کام میں نیت شرط ہے، خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا جس نے لوگوں سے مکمل طور پر علیحدگی اختیار کر رکھی تھی، ایک دن حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی اس کو دیکھنے تشریف لائے، اس کے حجرے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حجرے کی دیوار میں ایک کھڑکی کھلی ہوئی ہے، پوچھا: یہ کھڑکی دیوار میں کیوں بنا رکھی ہے؟ عرض کیا: روشنی اور ہوا کے لئے کبھی کبھی گرمی میں بڑی تکلیف ہوتی ہے، خواجہ ابوالحسن خرقانی نے فرمایا: افسوس تجھ پر صد افسوس! اگر تم اذان ونماز کی آواز سننے کی نیت سے یہ کھڑکی کھولتے تو تم مستحق ثواب ہوتے اور روشنی وہوا جو تمہارا مقصد ہے، وہ بھی تم کو حاصل ہو جاتا، اب جب کہ روشنی وہوا کی نیت سے تم نے یہ کھڑکی بنائی تو محض کار دنیا کیا، دین کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، اور حالت انزوا میں ہونے کے باوجود تم گرفتار دنیا ہی رہے۔

اس لئے ہر بندہ مومن کو چاہئے کہ وہ ہر کام میں نیت کو پیش نظر اور دنیا کو دین کا تابع رکھے اور انما الاعمال بالنیات کو مدار کار بنالے۔

فائدۂ ریاضت: ایک شخص نے پوچھا کہ ریاضت کا کیا فائدہ ہے؟ فرمایا:

صفائے قلب وصفائے قلب صلوح پیدا می کند کہ عطیۂ الٰہی بسبب آں در قلب سالک بقا پذیرد وملک وے گردد و یکے از فوائد وے این است کہ گفتم عرض کرد بعضے مشائخ زمانہ قایل اند کہ حالتے کہ دست داد، نمی رود بلکہ از گناہ ہم زوال نہ پذیرد واین را بر قوت طریقۂ خود حمل کنند و گویند ما مستانیم ریاضت و زہد خلاف عنوان من است، حالات قویہ را از گناہ ضررے نیست و در طریق دیگراں کہ آں زور وقوت نیست، ہر چہ بر دل سالک وارد شود بس ضعیف باند ک مکر نفس زایل می شود۔ در جواب ایں واہیات سخنے نگفت و ہدایت فرمود کہ حضرت مخدوم الملک شرف الحق والدین قدس سرہٗ در جائے تحقیق حالات رحمانی و شیطانی وعلامت تفریق آنہا نوشتہ است کہ کیفیتے وحالتے کہ بعد افعال غیر شرعی بحال ماند، باید دانست کہ محض شیطانی است واز زوال وے دل شاد باید شد و بر عمر رفتہ اندوہ باید کرد کہ در حال شیطانی بر باد رفتہ واگر بعد نامشروع زائل ہم شود دل شاد باید شد کہ الحمدللہ کیفیت رحمانی بود، توبہ واستغفار باید کرد تا حق تعالیٰ باز بحال کند و بر اعمال اسلاف کہ بظاہر خلاف شرع می نماید زبان مکشاید، بسا باشد کہ کاملین ایں فرقہ چنین حرکات کنند اما آں حرکت در نفس الامر خلاف شرع نیست ــــ(تذکرۃ الکرام،ص: ۳۵۲)

ریاضت کا فائدہ قلب کی صفائی ہے اور قلب کی صفائی سے صالحیت پیدا ہوتی ہے، اسی سبب سے عطیات وانوار الٰہی سالک کے دل میں پیدا ہو کر دوام حاصل کر لیتے ہیں، ریاضت کے من جملہ فوائد میں ایک فائدہ یہ ہے۔ عرض کیا کہ اس زمانے کے بعض مشائخ کا خیال ہے کہ جو کیفیتیں سالک کے قلب میں پیدا ہو جاتی ہیں وہ زائل نہیں ہوتیں بلکہ گناہ بھی اس پر اثر انداز نہیں ہوتا ہے، اس کو وہ اپنے طریقے کی قوت وپختگی سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مستانہ ہیں، ریاضت و زہد میرے مسلک کے خلاف ہے، کیوں کہ حالات قویہ کو گناہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا، دوسروں کے سلسلہ وطریقہ میں چونکہ وہ زور و

قوت نہیں اس لئے سالک کے دل پر گذرنے والی کیفیت نفس کے تھوڑے حیلہ سے فوراً زائل ہو جاتی ہے، حضرت نے ان خرافات کے جواب میں کچھ نہیں فرمایا لیکن بطور ہدایت فرمایا کہ حضرت مخدوم الملک شرف الحق والدین قدس سرہ نے رحمانی و شیطانی حالات وکیفیات اور اس کی متفرق علامتوں کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو حالت وکیفیت غیر شرعی افعال کے بعد بھی رہے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ خالص شیطانی ہے، اس کے زائل ہونے سے خوش ہونا چاہئے اور شیطانی حالت میں ضائع و برباد ہونے والی عمر رفتہ پر افسوس کرنا چاہئے، اگر فعل نامشروع کے بعد وہ کیفیت زائل بھی ہوگئی جب بھی خوش ہونا چاہئے کہ الحمد للہ کیفیت رحمانی تھی (فعل) نامشروع سے توبہ کرنا چاہئے تاکہ اللہ تعالی پھر اس کیفیت رحمانی کو بحال کر دے، اسلاف کے اعمال پر جو کہ بظاہر خلاف شرع معلوم ہوتے ہیں، زبان نہیں کھولنا چاہئے، بسا اوقات اس فرقہ کے کاملین ایسی حرکتیں کرتے ہیں، لیکن نفس الامر میں ان کی حرکت شریعت کے خلاف نہیں ہوتیں۔

ملت عشق

سالکان راہ طریقت بالعموم اس بات کے خواہشمند ہوتے ہیں کہ تصرفات وکرامات اور کشف ارواح کا ملکہ ان میں پیدا ہو جائے، آپ ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی نہیں فرماتے تھے اور اس کو تضییع اوقات تصور فرماتے تھے، لوگوں کے خیالات کی اصلاح کرتے ہوئے اس بات پر تاکید بلیغ فرمائی کہ اصل چیز اللہ تعالیٰ کی ذات سے عشق ومحبت کا تعلق استوار کرنا ہے۔

روزے در مجلس عالی ذکر کشف ارواح بود، فرمود ما ازیں کار خوش نیستم و بر طالبان سلوک مکروہ می دارم کہ ازیں شعبدہ سالک را چہ کار کہ دریں تضییع اوقات کند مگر بقدر ضرورت روزے درین تذکرہ کسے عرض کرد کہ کشف ارواح ہم خوب کار است اگر مشق شود؟ فرمود خوب چیست ایں ہم دنیا است، کسے از مال واسباب ریاست پیدا می کند وکسے از اعمال و وظائف وکسے از کشف، خواہ بہ استخارہ، خواہ بہ کسب اشغال، کشف ارواح وعالم قبر ایں را از فقر چہ نسبت؟ ساحران ہم از خباثت بسیار حال دریافت می کنند فرق آنست کہ تو تمسک بہ اعمال علوی داری وآں بہ اعمال سفلی، وفقر کاری دیگر است، نہ شنیدی کہ خواجہ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرمودہ است، ہر کہ طالب بہشت باشد بگو کہ در مجلس ما نہ آید و نہ نشنید، ایں جا کار با خدا است دنیا وعقبی را در اں گنجایشے نیست۔

ملت عشق از ہمہ ملت جدا است ۞ عاشقاں را مذہب وملت خدا است

ایک دن مجلس عالی میں کشف ارواح کا ذکر آگیا، فرمایا میں اس کام سے خوش نہیں ہوں، سلوک کے طالبوں کے حق میں کشف ارواح کو میں پسند نہیں کرتا، سالک کو کیا ضرورت ہے؟ کہ وہ اس کام میں اپنے اوقات ضائع کرے، مگر بقدر ضرورت ایک دن یہی ذکر ہو رہا تھا کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ کشف ارواح بھی خوب چیز ہے اگر مشق ہو؟ فرمایا خوب کیا ہے، یہ تو دنیا ہے، کوئی مال واسباب کے ذریعے اقتدار حاصل کرتا ہے اور کوئی اعمال و وظائف کے ذریعے اور کوئی کشف کے ذریعے، خواہ یہ کشف بذریعہ استخارہ حاصل ہو۔ خواہ کسب اشغال سے، کشف ارواح اور عالم قبر کو فقر سے کیا نسبت ہے، جادوگر بھی اپنی خباثت

سے بہت سی باتیں دریافت کرلیتے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ تم اعمال علوی کا سہارا لیتے ہو اور وہ اعمال سفلی کا، فقر تو دوسری ہی چیز ہے، تم نے سنا نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بہشت کے طالب سے کہہ دو کہ ہماری مجلس میں نہ آئے، یہاں خدا سے کام ہے، دنیا و آخرت کے طلب کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

ملت عشق ایک جداگانہ ملت ہے، عاشقوں کا مذہب

وملت صرف خدا کی ذات ہے۔

اس سلسلے میں تاکید بلیغ فرماتے تھے کہ بجائے کشف ارواح میں وقت ضائع کرنے کے تزکیۂ باطن وتصفیۂ قلب پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، یہی بنیادی چیز ہے، اس سے کیفیات قلبی میں رسوخ حاصل ہوگا تو کشف القبور اور اشراق باطن خود بخود حاصل ہوجائے گا۔

ایک دن صاجزادوں اور مریدوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی قدس سرہٗ نے اپنے صاجزادہ حضرت نور قطب عالم سے سخت ریاضتیں کرائیں اور ان کے نفس کی شکستگی کے لئے خانقاہ کے بیت الخلاء کی صفائی ان کے ذمہ کردی جس کو وہ بہت دنوں تک کرتے رہے، جب اس خدمت سے ان کے اندر پورے طور پر نفس کی شکستگی اور تزکیہ محسوس فرمایا تو ان سے صرف دو رکعت نفل ادا کرائی اور طریقت کے تمام مدارج کی تکمیل کرادی اور اپنی روحانی نسبتیں ان کی طرف منتقل کردیں، حاضرین مجلس میں آپ کے صاجزادے حضرت شاہ ابو الحسن فرد بھی موجود تھے، انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے سلسلے میں بھی ایسی صورت ہوتی تو ہم لوگ بھی دو رکعت نفل ادا کر کے طریقت کا کمال حاصل کر لیتے، حضرت نے فرمایا مفیض و مستفیض میں اب وہ قوت کہاں رہی؟ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیران کرام کے طفیل میں جو باطنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ سب تمہاری طرف منتقل کردوں، اگر تمنا ہے تو کبر ونخوت دور کرنے کے لئے خانقاہ کے بیت الخلا کی صفائی کی خدمت انجام دینی ہوگی کیوں کہ تزکیۂ نفس اس راہ میں اہم واجبات میں سے ہے، حضرت فرد نے عرض کیا: اپنی خانقاہ میں یہ ذلیل خدمت انجام دینی بہت مشکل ہے، حضرت نے تبسم کے ساتھ فرمایا کہ ناگوار کام کئے بغیر مقصد کا حصول بھی دشوار ہے، مخدوم نور قطب عالم قدس سرہ کی طرح کارہائے دشوار انجام دے کر ہی فائز المرام ہوسکتے ہو۔

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر ❁ آرے شود ولیک بہ خون جگر شود

حافظ صبور باش کہ در راہ عاشقی ❁ ہر کس کہ جاں نداد بہ جاناں نمی رسد

ــــ(تذکرۃ الکرام،ص:۳۷ تذکرہ)

شاہ غلام بیکھ انجھری کا بیان ہے

روزے مارا آنحضرت ارشاد فرمود کہ ہر چیز را در شرع شریف قضا است اما تقوی را بجز ادا قضا نیست چوں در کارے

فوت شد ہمہ بر باد رفت، ایں خرقہ پیوند پذیر نیست ہر ساعت اہتمام باید داشت کہ در کارے از دست نرود ـــــ (تذکرۃ الکرام،ص:۳۰۰)

ایک دن حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ شرع شریف میں ہر چیز کی قضا ہے، سوائے تقویٰ کے، تقویٰ کی قضا نہیں ہے۔ جس کام سے تقویٰ فوت ہوا، وہ کام ضائع و برباد ہوا، یہ ایسا خرقہ ہے جو پیوند قبول نہیں کرتا، ہر وقت تقویٰ کا اہتمام رکھنا چاہئے کہ کسی کام میں تقویٰ ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

آپ کی خانقاہ میں رہ کر علوم دینیہ کی تحصیل کرنے والے طلبہ امورِ غیر شرعیہ کے مرتکب ہوتے اور نماز باجماعت میں سستی کرتے تو آپ نے ان کی اصلاح کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ طعام فاتحہ میں کھانے والوں کے لئے تقویٰ و پرہیز گاری کی شرط لگادی اور خدام کو تاکید کردی کہ غیر متقیوں کو نہ دیں، چنانچہ لذیذ کھانوں کی طمع میں طالب علم امور غیر شرعیہ سے تائب ہوجاتے اور نماز کی پابندی کرنے لگتے، بعض خدام کے دلوں میں کھٹک پیدا ہوئی، انہوں نے عرض کیا کہ ایسی توبہ کا کیا فائدہ یہ تو لذیذ کھانوں کی طمع میں ممنوعات سے اجتناب کر رہے ہیں، فارغ التحصیل ہو کر جب واپس ہوں گے تو پھر ان ہی منہیات کے مرتکب ہوں گے۔ یہ سن کر آپ نے افاضہ فرمایا۔

حال باطن تائبان و صالحان چوں معلوم شود کہ توبہ دروغ بستہ اند وفساد باطن دارند یا توبہ نصوح دارند و نیک طینت اندو برتوبہ وعہو داستقلال است یا نقض حکم شرع ظاہر است وہم توبہ دولتے است علیحدہ و استقامت بروے امیر یست علیحدہ چوں زیور مرصع در بدن عروس، اگر حق تعالیٰ ہر دو دولت کسی رابخشد نور علی نور و بندہ ماخوذ برترک توبہ است نہ بر استقامت توبہ، بظاہر از وے توبہ دیدم تائب شمردم علاوہ بریں تا زمانے کہ در طلب علم مقیم خانقاہ است بہ طمع طعام از ممنوعات مجتنب ومحترز است چہ کم است، ہر قدر ایام کہ از گناہ پاک اند غنیمت است، ایں ہم دولتے است ـــــ (تذکرۃ الکرام،ص:۳۵۵)

تائبوں اور صالحوں کے باطنی حالات کیسے معلوم ہوں کہ انہوں نے جھوٹی توبہ کی ہے اور دل میں نقض توبہ کا ارادہ لئے بیٹھے ہیں یا ان کی توبہ توبہ نصوح ہے اور ظاہراً نیک طبیعت ہیں، ان کی توبہ مستقل اور دائمی ہے یا عارضی؟ شریعت کا حکم ظاہر پر ہے، توبہ ایک الگ دولت ہے اور اس پر استقامت ایک علیحدہ امر، جیسے کہ دلہن کے بدن پر مرصع زیور ہو، اگر حق تعالیٰ کسی کو دونوں دولت (توبہ و استقامت بر توبہ) عطا کر دے تو نور علی نور ہے اور بندہ ترک توبہ پر ماخوذ ہوگا عند اللہ نہ کہ ترک استقامت پر، بظاہر جس سے میں نے توبہ دیکھی تو اس کو تائب سمجھا، اس کے علاوہ یہ کہ جب تک خانقاہ میں بغرض حصول علم مقیم ہے اور کھانے کے لالچ میں ممنوعات سے مجتنب و محترز ہے، یہی کیا کم ہے؟ جتنے دن گناہوں سے پاک رہا غنیمت ہے، یہ بھی ایک دولت ہے۔

آپ کا خیال تھا کہ حصول مقصود کے بعد بھی طاعات و عبادات پر دوام شکر گزاری کا تقاضا ہے، چنانچہ اس سلسلے میں لوگوں کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا کہ

”نفس“ انسان کو ہر طرح سے دھوکہ میں ڈال کر برباد کر دیتا ہے، اس لئے آدمی کو چاہئے کہ نفس کے حیلہ و مکر سے بچتا رہے،

اول تو ہماری عبادت کسی درجہ میں قابل قبول نہیں کیوں کہ میں اخلاص عمل کا صحیح جذبہ اپنے میں نہیں پاتا، دوسری بات یہ ہے کہ انسان کی تمام عبادتیں یکساں مقبول نہیں ہوتیں، اس کی قبولیت اللہ کے رحم و کرم پر موقوف ہے۔ معلوم نہیں کہ کس وقت کی عبادت اللہ کو پسند آوے! یہ بھی معلوم نہیں کہ اتنے دنوں کی عبادت میں کون اور کس وقت کی عبادت قبول ہوئی یا نہیں؟ اگر کوئی عبادت بھی مقبول نہ ہوئی تو بقیہ عمر کی کل ساعت قبولیت کی تمنا میں کیوں نہ صرف کر دی جائے، اللہ عز وجل سے امید رکھنے والا اس کے رحم و کرم سے محروم نہیں رہتا، وہ بندہ مقبول بندہ ہے جو اپنے آقا کی اطاعت وفرماں برداری میں روز وشب ایک پاؤں پر کھڑا رہے، معین اوقات میں کام بجالا کر بقیہ اوقات میں غافل پڑا رہنا ناشکر گزاری ہے۔

پیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ سیرابی کے جو ذرائع دستیاب ہو چکے ہیں، اس سے سیرابی حاصل کی جائے جب تک پیاس نہ بجھے، مگر یہ وہ پیاس ہے کہ اس کے دن رات بڑھتے رہنے اور ذریعہ سرابی کو عمل میں لاتے رہنے کے لئے تیار رہنا چاہئے ”صفا عف اللہ بہ کل زمان عطشی“

پھر اس ضمن میں ایک حکایت بیان کرنے کے بعد فرمایا ”یہی حال طاعات وعبادات کا ہے، عابد جس عبادت کے ذریعہ فائز ہوا، اس کی پابندی اس پر اور زیادہ عائد ہو جاتی ہے، ان عبادات وطاعات کو بقدر وسع تازندگی ترک نہیں کرنا چاہئے، یہاں تک کہ عبادت کرتے کرتے مر جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاعمر ریاضت نہ چھوڑی، تمام شب اس طرح نماز ادا فرماتے تھے کہ پائے مبارک ورم کر جاتے اور اصحاب کے کہنے پر ”افلا اکون عبدا شکورا“ فرماتے تھے۔

حضرت تاج العارفین شاہ مجیب اللہ قادری وحضرت شاہ نعمت اللہ قادری قدس سرہما نے چشتی بزرگوں کی طرح تحریر و تقریر کو اصلاح وہدایت کا ذریعہ نہیں بنایا لیکن ان کی مجلسیں جو ہمیشہ طالبین سالکین و دیگر مستفیدین سے آباد رہتی تھیں، اصلاح و ہدایت کا بہت اہم ذریعہ تھیں، ان کی مجلسوں کی یہ خصوصیت تھی کہ متنوع قسم کے موضوعات زیر گفتگو آتے جس میں نہ صرف معرفت کے اسرار ونکات کا انکشاف ہوتا بلکہ توحید ورسالت اور احکام وشرائع کے سلسلے میں سائل کے ذہن میں پیدا شدہ شکوک وشبہات بھی رفع ہوتے جب کہ سطور بالا میں اس کے کچھ نمونے پیش کیئے گئے، اس طرح خیالات ونظریات کی اصلاح شخصی و اجتماعی دونوں اعتبار سے ہوتی تھی، ان مجالس کی گفتگو اور ارشادات وفرمودات، تزکیۂ باطن اور اصلاح عمل میں بھی بہت موثر ہوتے تھے، بعض اوقات تاثر اتنا گہرا ہوتا کہ سامع اسی وقت اپنے اعمال سے تائب ہو جاتا۔

یہ تو ان مجالس کا حال ہے جو مخصوص انداز کی ہوتی ہیں، عصر حاضر کے بعض عارفین کے یہاں اس کا نمونہ دیکھا جاسکتا ہے لیکن اگر صاحبان ملفوظ کی ان باتوں کو بھی شامل کیا جائے جو وہ بطور اصلاح چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے، تخلیے میں یا انفراداً کرتے رہے ہیں تو ملفوظات کا دائرہ وسیع ہو جائے گا اور اس کی افادیت بڑھ جائے گی لیکن ہم نے اس مقالے میں ان ملفوظات کا ذکر نہیں کیا ہے۔

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

امیر شریعت
حضرت مولانا سید شاہ محمد بدر الدین قادری قدس سرہ

● جناب مولانا فضل القدیر قادری ندوی

بدر الکاملین حضرت مولانا سید شاہ محمد بدر الدین قادری قدس سرہ کی شخصیت صوبہ بہار ہی نہیں پورے ملک کے لئے فخر وشرف کا باعث تھی۔ شریعت وطریقت کی جامعیت اور محاسن وکمالات کی بنا پر چودھویں صدی ہجری کے علما ومشائخ میں آپ کو ممتاز مقام حاصل تھا۔ آپ نے خانقاہ کے مدرسہ میں اپنے بزرگوں سے جو اکابر علما تھے، علوم وفنون کی تکمیل کی تھی اور کتب حدیث پڑھ کر ان کی اجازت حاصل کی تھی۔ پھر بعد میں حرمین شریفین جا کر وہاں کے ممتاز محدثین سے حدیث نبوی کی اجازتیں لی تھیں۔ آپ متبحر عالم تھے اور حدیث وفقہ میں گہری نگاہ رکھتے تھے۔ آپ کا درس قرآن ہوا کرتا تھا۔ فقہ وتصوف سے متعلق مسائل کثرت سے آپ کے پاس آتے اور آپ ان کا تحقیقی جواب تحریر فرماتے۔

آپ خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشین تھے اور اکابر علماء ومشائخ کے اجتماع میں آپ کو امارت شرعیہ بہار (اس وقت بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ ایک ہی صوبہ تھے) کا پہلا امیر شریعت منتخب کیا گیا تھا۔ یہ بدنصیبی ہے کہ آپ کے سوانح پر اب تک کوئی کتاب مرتب نہیں ہوسکی ہے۔ دار المصنفین اعظم گڑھ کے جناب مولانا عبد السلام قدوائی ندویؒ نے آپ کے حفید مولانا شاہ عون احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ سے گزارش کی تھی کہ حضرتؒ کے تمام معاصرین کے حالات وخدمات پر کتابیں یا مضامین شائع ہوچکے ہیں، لیکن حضرتؒ پر کوئی مفصل کام نہیں ہوا ہے۔ اس لئے ان کے حالات وخدمات پر ایک تفصیلی مضمون معارف کے لئے دیں۔ چنانچہ خانقاہ مجیبیہ سے وابستہ ایک صاحب قلم عالم جناب مولانا فضل القدیر قادری ندویؒ (م: ۲۰۰۷ء) نے مولانا شاہ عون احمد قادریؒ کی رہنمائی میں حضرتؒ سے متعلق تمام مواد اور آپ کے فتاوی ورسائل کے مطالعہ کے بعد ایک تفصیلی مضمون تحریر کیا جو معارف کے تین شماروں (ستمبر، اکتوبر ونومبر ۱۹۷۷ء) میں شائع ہوا، یہ مضمون صاحب مضمون کے قلمی نام محمد عاصم قادری ندوی کے نام سے معارف میں شائع ہوا تھا۔

آج کل بعض نادان لوگ جو آپ کی شخصیت سے واقف نہیں ہیں، کسی خاص مقصد کے تحت یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ آپ سند یافتہ عالم نہیں تھے یا کسی مدرسے سے فارغ نہیں تھے۔ اب ان کا جو مقصد ہو مگر یہ حقیقت کے خلاف، آپ کی عظیم شخصیت کے منافی اور آپ کی اہانت کے مثل بات ہے۔ اس کی تردید ضروری ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر تقریباً پچاس سال پہلے شائع اس مضمون کی اشاعت خانقاہ مجیبیہ کے ترجمان سہ ماہی المجیب میں کی جارہی ہے۔ ہم ماہنامہ معارف اعظم گڑھ کے شکریہ کے ساتھ اس اہم مضمون کو نظر ثانی کے بعد مضمون نگار کے اصل نام کے ساتھ المجیب میں شائع کر رہے ہیں —— (ادارہ)

مولد ومسکن

پھلواری شریف ضلع پٹنہ میں ۲۷ رجمادی الاخری ۱۲۶۸ھ کو یک شنبہ کے دن آپ کی ولادت ہوئی ،یہیں مستقل طور پر قیام فرمایااوراس کی خاک میں آسودۂ خواب ہوئے۔

تاریخ پھلواری شریف

یہ قصبہ تقریباًہزارسال سے آباد ہے،کہا جاتا ہے کہ پہلے یہاں راجہ اشوک کاباغ تھا،اسی مناسبت سے راجہ کی پھلواری کے نام سے مشہورتھا،امتدادزمانہ سے باغ کی وہ شکل باقی نہیں رہی،مگر پھلواری کانام زبانوں پر چڑھ گیا،عرصہ تک یہ سنیاسیوں اور جوگیوں کامسکن رہا،کچھ مدت کے بعدسراوک اورجین مذہب کےفقراءآبادہوئے،اسلامی آبادی کی باقاعدہ ابتداعہدفیروزشاہی میں حضرت مخدوم منہاج الدین راستی قدس سرہ کی تشریف آوری کے بعدہوئی،آپ جیلان سے بہارتشریف لائے اورحضرت شیخ الاسلام مخدوم الملک شرف الدین یحیی منیری قدس سرہ کےعظیم المرتبت خلیفہ ہوئے،پیرومرشد نے ۷۶۲ھ میں پھلواری تشریف لاکرانہیں مسندارشادوہدایت پر بٹھایا،ان کی تشریف آوری سےعلم وعرفان کی شعائیں دوردورتک پھیلیں،ان کی اولادو احفادمیں بہت سےعلماوفضلااورقضاۃ پیداہوئے اور پوراصوبہ ان کےعلم وعرفان سےمنورہوگیا،لیکن اس سرزمین کوعلم وفضل کےلعل وگوہرحضرت امیرعطاءاللہ جعفری المتوفی ۹۶۴ھ کے دم قدم سےنصیب ہوئے،یہ اپنے والدشاہ محمدسعداللہ کے ہمراہ دسویں صدی کے اوائل میں پھلواری آئے،شاہ سعداللہ کے والدشاہ فتح اللہ مخدوم نورالدین ملک یارپراں متوفی ۶۹۵ھ کی صاجزادی کی اولادمیں تھے۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃاللہ علیہ نےاخبارالاخیارمیں مخدوم نورالدین کاتذکرہ کیاہے، کہا جاتا ہے کہ امیرعطاءاللہ وزرائےشاہی میں تھے،ابوالفضل کےاکبرنامہ میں بہ ضمن وقائع ۹۶۱ھ امیرعطاءاللہ کانام بھی ایک جگہ مذکورہے،پٹنہ کی خدابخش لائبریری میں شاہان مغلیہ کےالبم میں ان کاایک مرقع موجودہے،اگرچہ اس کی صحت یاعدم صحت کی ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں،لیکن مرقع کےحاشیہ پر یہ عبارت لکھی ہے:

”امیرعطاءاللہ جعفری وزیرہمایوں بادشاہ“

امیرعطاءاللہ کی اولاد کے دینی وتبلیغی کاموں سےپھلواری کوبڑاشرف حاصل ہوااوران کےعلم وعرفان کے پھولوں نےحقیقی معنوں میں اسےپھلواری بنادیا___(حیات محی الملۃ والدین،ص:۳،ازمولاناشاہ عون احمدقادری)

ان کے اخلاف میں مشائخ عظام،عرفائےطریق،علماومحققین،شعراومؤرخین اورولاۃ وقضاۃ نیزارباب خبروبصرکاایک ایساسلسلۃ الذہب نظرآتاہےجس کےعلمی،عرفانی،تحقیقی،ادبی اورتاریخی کارنامےصدیوں پرمحیط ہیں،انہی کی اولادکرام میں حضرت مخدوم شمس الدین جنیدثانی المتوفی ۱۰۷۲ھ،حضرت خواجہ عمادالدین قلندرالمتوفی ۱۱۲۴ھ،حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ محمد

مجیب اللہ قدس سرہ ۱۱۹۱ھ جیسے اہم اکابر اولیا اور ملا فصیح الدین جعفری المتوفی ۱۱۱۹ھ، ملا مبین المتوفی ۱۱۵۴ھ، ملا وجیہ الحق محدث المتوفی ۱۱۵۰ھ، تلمیذ ملا عتیق محدث بہاری، ملا وحید الحق ابدال المتوفی ۱۲۰۰ھ، سید العلما مولانا احمدی المتوفی ۱۱۵۱ھ، مولانا آل احمد محدث مہاجر مدنی المتوفی ۱۱۹۵ھ اور حضرت مصباح الطالبین مولانا شاہ علی حبیب ۱۲۲۵ھ جیسے شیوخ حدیث، فقہا اور مجتہدین طریقت اور حضرت مولانا شاہ ابوالحسن فرد المتوفی ۱۲۴۷ھ، اور حضرت مولانا شاہ ابوتراب آشنا المتوفی ۱۱۷۰ھ جیسے اصحاب دیوان شعرا ہیں۔

یہ تمام حضرات اپنے علم و فضل، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی بنا پر بڑی عظیم شہرت رکھتے تھے، علما و مشائخ کے مستند تذکروں اور تاریخی ماٰخذ میں ان اکابر کا تذکرہ ہے اور متعدد موضوعات پر ان کی تصانیف آج بھی کتب خانہ مجیبیہ کی زینت ہیں۔

خاندان اور سلسلۂ نسب

حضرت مولانا شاہ بدرالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ اس خانوادۂ علم و عرفان کے گل سر سبد ہیں جس میں چھ سو برس سے بلا فصل ارباب فضل و کمال کے ظہور کا سلسلہ جاری ہے، آبائی سلسلۂ نسب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے صاجزادے حضرت عبداللہ سے حضرت سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کی صاجزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا منسوب تھیں، ان سے حضرت علی زینبی پیدا ہوئے، اس بنا پر ان کی اولاد جعفری کے ساتھ زینبی بھی کہلاتی ہے، مادری سلسلۂ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

تعلیم و تربیت

آپ نے علم و فضل کے ایسے مرکز میں آنکھیں کھولی تھیں، جہاں صدیوں درس و تدریس اور ارشاد و ہدایت کا سلسلہ جاری تھا، آپ کے بعض اکابر کا سلسلۂ علمی ایک طرف حضرت ملا نظام الدین فرنگی محلی سے ملتا ہے تو دوسری طرف شیخ عبدالحق محدث دہلوی تک پہنچتا ہے اور تیسری جانب حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی سے بھی جا ملتا ہے، آپ کے خانوادے کے اکثر علما معقولات میں مولانا فضل حق خیرابادی سے بھی نسبت تلمذ رکھتے تھے، اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان تمام علمی سرچشموں کی یکجائی نے پھلواری کے مرکز علمی کو ایک یگانۂ روزگار جامعہ بنا دیا تھا۔

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ شرف الدین قادری نہایت جید الاستعداد اور بالغ النظر عالم تھے، وہ متعدد اہم رسائل و کتب کے مصنف (عقائد نسفی کی شرح لب العقائد، تہذیب کی مختصر شرح، رسالہ رفع السبابہ عند التشہد وغیرہ آپ کے مصنفات میں سے ہیں، کتب خانۂ مجیبی میں آپ کا مکمل دیوان بھی ہے،) کی حیثیت سے علمی حلقوں، خانقاہ جنیدیہ پھلواری شریف کے ممتاز فرد کی حیثیت سے عرفانی مجلسوں اور صاحب دیوان شاعر کی حیثیت سے ادبی محفلوں میں معروف و مشہور تھے۔

آپ کے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ علی حبیب نصر عظیم محدث اور بلند پایہ فقیہ تھے، اس لئے علم و فن کی تحصیل کے لئے

کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں پیش آئی اور درسیات کی تکمیل انہی دونوں بزرگوں سے کرلی۔

شیخ الاسلام حضرت نصر کے فیضان درس سے حدیث نبوی علی صاجہا الصلوۃ والسلام کا نہایت بلند ذوق پیدا ہوا، ان کے علاوہ دوسرے متعدد شیوخ عرب وعجم سے بھی اس کی سند حاصل کی، بخاری شریف کی سب سے پہلی سند قرأت وسماعت حضرت نصر قدس سرہ سے حاصل کی پھر ۱۲۸۷ھ میں حصن حصین اور دیگر کتب حدیث کی سند حضرت مولانا آل احمد محدث مہاجر مدنی قدس سرہ سے حاصل کی، ۱۳۰۴ھ میں سفر حج کے موقع پر حرمین شریفین کے جن بزرگوں سے سند حاصل کی ان میں حضرت شیخ عبداللہ صالح سناری، سید محمد امین بن سید احمد بن رضوان، شیخ عبدالرحمن ابوحضیر مدنی، شیخ الدلائل مولانا عبدالحق مہاجر مکی، سید محمد بن علی حریری اور سید محمد سعید بن سید محمد مغربی بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔

مراجعت وطن کے بعد بذریعۂ مراسلت شیخ عبدالجلیل ابن عبدالسلام برادہ شیخ محمد فالح ظاہری، شیخ عبدالحی کتانی، شیخ سلیمان حبیب اللہ اور دیگر شیوخ حرمین ومصر وشام وبیروت سے اجازت وسند حاصل کی۔

تجوید وقرأت

آپ کے بزرگوں کو تجوید کا ہمیشہ سے خصوصی ذوق رہا ہے اور اس فن کی تحصیل بڑے اہتمام کے ساتھ کرتے رہے ہیں۔

آپ کے خلف اکبر حضرت پیر ومرشد مولانا سید شاہ محی الدین قادری پھلواروی اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”اس خاندان میں تجوید کا علم برابر رہا، چونکہ بزرگان اہل دل صاحب حال تھے، ان کی قرأت کا خاص اثر سننے والوں پر پڑتا تھا، حضرت ملا وجیہ الحق محدث نے کلام اللہ کا ایک ایسا نسخہ تحریر فرمایا ہے جو کل قرأتوں میں ہے، حاشیہ پر کل قرأتوں کی تفصیل ہے، جس کے سمجھنے والے شاذ ونادر ہیں“

حضرت ملا وجیہ الحق محدث (تلمیذ ارشد مولانا عتیق محدث بہاری ۱۱۳۵ھ) کے دست خاص کا لکھا ہوا کلام اللہ کا یہ نسخہ کتب خانۂ مجیبی میں اب بھی موجود ہے، اس کی کتابت الفاظ واعراب کی صحت کے ساتھ دوماہ ۲۶ دن میں تمام ہوئی، سن کتابت ۱۱۴۵ھ ہے، بین السطور اور حواشی پر قراء کے اختلافات اور تجوید کے فوائد موجود ہیں — (حیات محی الملۃ والدین ص: ۶۴، از مولانا شاہ عون احمد قادری)

حضرت مولانا شاہ بدرالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس فن کی تحصیل شیخ الاسلام حضرت نصر، مولانا آل احمد محدث مہاجر مدنی اور اپنے والد ماجد مولانا شاہ شرف الدین قادری سے کی۔

خطاطی وطغری نویسی

اگرچہ خطاطی کی باقاعدہ تحصیل نہیں کی لیکن طبعی طور پر آپ خوش نویس تھے اور نسخ ونستعلیق دونوں خط بہت پاکیزہ تھے،

طغری نویسی کا فن منشی ولی الحق بن شیخ حمید الدین عیسی پوری سے حاصل کیا تھا، آپ کے دست خاص کے بنائے ہوئے خوشنما طغرے آج بھی موجود ہیں۔

مسند تدریس

اپنی خداداد ذہانت وطباعی کی وجہ سے بہت کم سنی ہی میں درسیات سے فارغ ہو گئے تھے، یوں تو جملہ علوم وفنون میں دستگاہ کامل حاصل تھی، مگر حدیث وتفسیر اور علوم عرفانیہ سے خصوصی شغف تھا، اس لئے اپنے اکابر کے تتبع میں جب آپ نے خانقاہ مجیبیہ کے دار العلوم کی مسند تدریس کو زینت بخشی تو خصوصیت کے ساتھ تفسیر وحدیث اور تصوف کی کتابیں سپرد کی گئیں، غوامض علمی کی محققانہ توضیح اور تعلیم وتدریس کی دقیقہ سنجیوں کی بنا پر تھوڑے ہی دنوں میں ارباب ذوق کا ہجوم ہو گیا، آپ کے تلامذہ میں آپ کے صاجزادہ حضرت مولانا شاہ محی الدین قادری کے علاوہ حکیم حبیب الحسنین دیسنوی برادر بزرگ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید معین الدین رضوی، حافظ انور علی مونگیری، مولانا عبد الرحمن بہپوری، مولانا حافظ وسیع الدین ہزاری باغ اور مولانا محمد بادشاہ نواکھالی قابل ذکر ہیں، آپ کی تدریسی مصروفیت سجادہ نشینی کے بعد بھی برقرار رہی، قرآن اور علوم احسان کی تدریس کا اہتمام جس وسیع پیمانے پر آپ نے کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔

اس سلسلہ میں مشائخ کے مکتوبات وملفوظات کی تعلیم کی جانب خاص توجہ بھی تھی، معارف وحقائق کے بیان میں کتاب و سنت کے نصوص ہمیشہ پیش نظر رہتے تھے۔

اپنی خانقاہ میں خلوت نشین ہو کر درس قرآن کا سلسلہ سالہا سال تک بڑی پابندی کے ساتھ جاری رکھا، اتوار کے دن شائقین کا بڑا ہجوم ہوتا تھا، ان مجالس درس کے شرکا میں آرہ، جہان آباد اور گیا کے جدید تعلیم یافتہ حضرات، پٹنہ کے وکلاء بیرسٹر اور وزرا افسران جسٹس نور الہدی، سر فخر الدین وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

اس درس سے ایک طرف علما ومشائخ میں فکر ونظر کی بلندی پیدا ہوئی تو دوسری طرف علما اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے اندر علم وعرفان کا ذوق پیدا ہوا۔

بیعت طریقت

عرفان وتصوف کا ذوق موروثی تھا علوم ظاہری سے فراغت کے بعد خاندانی روایت کے مطابق تکمیل باطن کی طرف متوجہ ہوئے، دو شخصیتیں آپ کے سامنے تھیں، ایک شیخ الاسلام حضرت مولانا شاہ علی حبیب نصرؔ کی، دوسری اپنے والد ماجد حضرت مولانا شاہ شرف الدین قادری کی۔

حضرت نصر مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہ کے جانشین اور والد ماجد خانقاہ جنیدیہ کے مجاز وممتاز فرد تھے، حضرت نصرؔ اپنے مریدوں کو تعلیم وتلقین اور اذکار واشغال کے لئے اکثر ان کے پاس بھیجا کرتے تھے، آپ کی ذات اقدس

خانقاہ مجیبیہ کے دیگر مشائخ کی طرح جامع السلاسل تھی، مگر حضرت تاج العارفین کے عہد سے لے کر آج تک یہاں کے مشائخ کے سلسلۂ بیعت میں قمیصیہ قادریہ وارثیہ طریقہ رائج ہے، جو حضرت مولانا محمد وارث رسول نما بنارسی قدس سرہ کی وجہ سے یہاں پہنچا ہے، حضرت نصر آپ کے شیخ الحدیث بھی تھے اور حضرت تاج العارفین کے جانشین بھی، اس لئے آپ کا دلی رجحان انہی کی طرف ہوا اور عین عالم شباب میں ۱۰/ربیع الاول ۱۲۸۳ھ کو ان کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔

تکمیل سلوک

جوہر معرفت طبعی طور پر آپ کے اندر موجود تھا، اس لئے مختصر عرصہ میں جملہ سلاسل کے اذکار و اشغال اور اوراد و وظائف کی تکمیل کر لی اور سخت ترین ریاضت ومجاہدہ کے ساتھ تمام مقامات طے کر لئے۔

اجازت وخلافت

اپنی کم گوئی، تورع، اتباع سنت، تفکر اور مجاہدے کی وجہ سے حلقۂ مشائخ میں شروع ہی سے احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اور بزرگوں کو بجا طور پر یہ توقع تھی کہ آپ کا مستقبل بہت ہی تابناک ہے، دریائے علم کی شناوری کے ساتھ بحر عرفان کی غواصی بھی کر چکے تو ۲۳/ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ کو بغیر کسی طلب وسفارش کے شیخ الاسلام نصر قدس سرہ نے جملہ سلاسل مجیبیہ، جنیدیہ، قادریہ چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ اور تمام مرویات حدیث کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنے مریدوں کو تعلیم و تلقین اور تصحیح اذکار کے لئے آپ کے پاس بھیجنے لگے، نیز خانقاہ مجیبی میں آنے جانے والوں کی خدمت بھی آپ ہی کے سپرد فرما دی۔ اس سے پہلے ۱۲۸۹ھ میں آپ کے عم محترم حضرت شاہ فضل اللہ جانشین جنید ثانی مخدوم شمس الدین نے سلاسل جنیدیہ ومجیبیہ کی اجازت وخلافت مرحمت فرما کر خانقاہ جنیدیہ میں انہیں اپنا جانشین بنا چکے تھے، مخدوم شمس الدین جنید ثانی کو ملا جمال اولیا کڑوی الہ آبادی سے خرقۂ خلافت اور سلاسل روحانی کی اجازت حاصل تھی، ان کے ذریعہ سلسلۂ جمالیہ قادریہ کو بہت فروغ ہوا، شاہ امان علی ترقی نے ان کی فیض رسانی کا اس طرح ذکر کیا ہے:

به یاد حق به خلوت خانه به نشست ❁ به مردی آمد و مردانه به نشست
جهانے کامیاب از فیض او شد ❁ که ذرۂ آفتاب از فیض او شد
یک عالم دید فقر و عروشانش ❁ مرید از صدق شد در خاندانش
هزاراں از مریدان و هواخواه ❁ شدند از فیض ذات او حق آگاه
هر آں طالب که شد در خانقاهش ❁ حضوری داشت در قرب الٰهش

سند اجازت وخلافت عطا کرتے وقت حضرت نصر قدس سرہ نے اپنے دست مبارک سے تبرکات پہنائے، اتفاق سے اس وقت خوانچہ میں تسبیح تھی، نہ کمر بند، اس لئے اپنی تسبیح جو آپ کے ہاتھوں میں اس وقت موجود تھی، دے دی اور اپنا کمر بند

اپنی کمر سے کھول کر ان کی کمر میں یہ شعر پڑھتے ہوئے باندھ دیا۔

درخدمت حق گرتو مردانہ کمر بندی ❁ بخشد بہ تو ہر لحظہ تاج وکمرے دیگر

خانقاہ مجیبیہ کی سجادگی

۱۳۰۹ھ میں جب آپ کے پیرزادے مولانا شاہ عین الحق رحمہ اللہ خانقاہ مجیبیہ کی سجادگی ترک کر کے قصبہ گھکٹہ ضلع چھپرہ میں مقیم ہوگئے تو جانشینی کا وہ سلسلہ جو حضرت مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری کی اولاد میں نسلا بعد نسل چلا آرہا تھا منقطع ہوگیا، ہر چند کہ اس وقت شیخ الاسلام شاہ نصر کے متعدد خلفا موجود تھے، مگر چونکہ انہوں نے علمی وروحانی کمالات کی بنا پر اپنی زندگی ہی میں مریدین کی تعلیم وتربیت اور خانقاہ کے نظم واہتمام کی خدمات آپ کو تفویض کردی تھیں، اس لئے تمام وابستگان خانوادۂ مجیبی نے جانشینی کے لئے آپ کا انتخاب کیا، اس طرح ۱۳۰۹ھ میں آپ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے سجادہ نشیں قرار پائے اور آپ کی ذات خانقاہ مجیبیہ اور خانقاہ جنیدیہ کا نقطۂ اتصال ثابت ہوئی۔

تاریخ خانقاہ مجیبیہ

یہ خانقاہ مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ کی نسبت سے خانقاہ مجیبیہ کہلاتی ہے، ان کا اسم گرامی محمد مجیب اللہ اور لقب تاج العارفین، آفتاب طریقت ہے، تاریخ ولادت ۱۰ربیع الثانی ۱۰۹۸ھ کو اور وطن پھلواری شریف ہے، امیر محمد حسین بن امیر عطاء اللہ کی اولاد امجاد میں تھے، متوسطات تک تعلیم اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت خواجہ عماد الدین قلندر قادری قدس سرہ سے حاصل کی اور انہی کے دست حق پرست پر بیعت بھی فرمائی، حضرت خواجہ کی کثرت مشاغل کی وجہ سے جب اسباق میں تسلسل باقی نہیں رہا تو ان کی اجازت سے بنارس تشریف لے گئے اور حضرت مولانا سید محمد وارث رسول نما بنارسی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں زانوئے ادب تہ کیا اور بقیہ درسیات کی تکمیل فرمائی۔

حضرت رسول نما بنارسی جس طرح علوم ظاہری میں بے نظیر تھے، اسی طرح اقلیم عرفان میں درجۂ قطب الاقطاب پر فائز تھے، مخدوم تاج العارفین نے علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی کی تکمیل بھی انہی سے کی، مصنف بحر زخار کا بیان ہے:

حضرت مولوی محمد وارث ساکن بنارسی اصلش غازی پوراست واز اقامت ومرقد بنارسی مشہور شد توسل بیعت بہ سلسلۂ شاہ قمیص دارد و بہ رسول نما ملقب بودہ از سادات سوانہ است۔

حضرت مولوی محمد وارث ساکن بنارس کا اصل وطن غازی پور ہے، لیکن بنارس میں اقامت اور مزار مبارک کی وجہ سے آپ بنارسی مشہور ہیں، سادات سوانہ میں ہیں، آپ کا لقب رسول نما ہے، رشتہ بیعت سلسلۂ قادریہ قمیصیہ سے رکھتے ہیں۔

حضرت رسول نما بنارسی نے یاران کاملین کا اجتماع کر کے حضرت تاج العارفین کو اپنی طرف سے بھی خرقہ پہنایا اور

تمام سلاسل کی تحریری اجازت اپنے دستخط اور اپنے مہر سے مزین فرما کر عطا کی۔

حضرت خواجہ کی وفات کے بعد ۱۱۲۴ھ میں جب پھلواری شریف واپس آ کر اپنے مسکونہ مکان کے ایک کمرے میں یاد الٰہی اور اذکار و اشغال کے لئے معتکف ہوئے تو یہ بیت الشرف مرجع خلائق ہوا، وفات کے بعد یہ خلوت خانہ اور گرد و پیش کی ساری عمارتیں خانقاہ مجیبیہ کے نام سے موسوم ہوئی۔

حضرت تاج العارفین کو حضرت مولانا رسول نما بنارسی آفتاب طریقت اور شیخ الزماں کہا کرتے تھے، بارہویں صدی کے تمام تذکرے ان کے محامد و مناقب سے معمور ہیں۔

مصنف بحر زخار رقم طراز ہیں:

اکمل العصر شاہ مجیب اللہ ساکن پھلواری قصبہ ایست از بتنہ چہار کروہ سمت مغرب بیعت بہ سلسلۂ قادریہ داشت میر جان علی فرزند سید عبد الواحد بلگرامی برگزار دکرمن بخدمت آنحضرت رسیدہ ام از غایت ریاضات وجودش تودۂ نور بود و از نہایت صفائی قلب آئینہ جہاں نما در بغل داشت اظہار مجاہداتش زاید از امکان تحریر و بیان کمالاتش بری از احاطۂ تقریر۔

شاہ مجیب اللہ پھلواری کے رہنے والے ہیں جو پٹنہ سے چار کروہ دور مغرب کی جانب واقع ہے، آپ کی بیعت سلسلۂ قادریہ میں ہے، میر جان علی فرزند سید عبد الواحد بلگرامی بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں، غایت عبادت سے آپ تودۂ نور معلوم ہوتے تھے، حد درجہ صفائی قلب کی وجہ سے اپنے پہلو میں آئینۂ جاں نما رکھتے تھے، آپ کے مجاہدات امکان تحریر سے فزوں اور آپ کے کمالات حدبیاں سے باہر ہیں۔

حضرت شاہ بدرالدین قادری اسی خانقاہ کے سجادہ نشین تھے، جو سوا تین سو برس سے سرچشمۂ ارشاد و ہدایت ہے۔

حضرت تاج العارفین کو اپنے آبائی سلاسل کے علاوہ دیگر بے شمار روحانی سلاسل میں بھی اجازت حاصل تھی، آپ کا آبائی سلسلہ، سلسلۂ قادریہ قلندریہ تھا، مگر حضرت رسول نما بنارسی قدس سرہٗ کی خواہش کے مطابق آپ ان کے جانشین کی حیثیت سے مسند ارشاد پر متمکن ہوئے، اس لئے آپ کی تبعیت میں جملہ سجادہ نشینان خانقاہ مجیبی آپ کے جانشین ہوئے ہیں اور آپ ہی کی نیابت میں فرائض ارشاد طریقت انجام دیتے ہیں، حضرت مولانا شاہ محمد بدرالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی حیثیت سے ۷/ ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ میں سجادۂ مجیبی پر رونق افروز ہوئے۔

خانقاہ مجیبیہ کے مشائخ بہ نیت اعتکاف عزلت نشین ہو جاتے ہیں، پھر سفر مباح کی اجازت نہیں رہتی، ارشاد و ہدایت کے تمام امور اسی خلوت سے انجام دیتے ہیں، لیکن یہ گوشہ نشینی شرعاً فرض و واجب نہیں ہے، جب خروج شرعاً فرض یا واجب ہوگا تو اس وقت گوشہ نشینی سے نکلنا ضروری ہوگا۔ (حیات محی الملۃ والدین، ص: ۱۳۰، مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری)

آپ کے دور میں خانقاہ مجیبیہ مرجع خلائق ہوگئی اور سلسلۂ مجیبیہ ہندوستان کے اطراف و جوانب کے علاوہ افغانستان،

حجاز، عراق وشام اور افریقہ تک پہنچ گیا، آپ کی شخصیت بڑی پرکشش تھی، آپ کی خدمت میں عام ارادت مندوں کے علاوہ علما ومشائخ بھی استفاضہ کے لئے حاضر ہوتے تھے، اربعین (چلہ) میں بیٹھنے والوں کی خاصی تعداد موجود رہتی، اذکار واشغال کے ساتھ قرآن مجید اور مکتوبات صدی کا درس بھی دیتے تھے، باہر کے لوگ خطوط کے ذریعہ استفادہ کرتے تھے، یہ مکتوبات علم وعرفان اور تحقیق واجتہاد سے لبریز ہیں، نیز ان کے اندر اس زمانے کے سیاسی وملی حالات اور دنیائے اسلام کے واقعات کی جھلک بھی نظر آتی ہے، حکیم شعیب نیر رضویؒ نے ان مکتوبات کا ایک حصہ مرتب کر کے کئی جلدوں میں لمعات بدریہ کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

عارف محقق

ان مکتوبات میں علمی خواہ عرفانی مباحث ہوں، سب میں ان کا مجتہدانہ رنگ نظر آتا ہے۔ تصوف کے حقائق اور احسان و سلوک کے رموز پر آپ کی نگاہ محرمانہ تھی، آپ نے اس کے عملی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اس کے بارہ سو سالہ علمی لٹریچر کا بھی وسیع مطالعہ کیا تھا اور اس کی تمام روایات کا سراغ قرآن وسنت کے سرچشموں میں پا لیا تھا، جہاں کہیں اوہام کا غبار نظر آیا، آپ نے آب تحقیق سے اسے صاف کر دیا۔ کسی سائل نے استفسار کیا کہ

کیا انا احمد بلا میم صحیح حدیث ہے؟ اگر حدیث نہیں تو کیا ان باتوں میں ہے جو سینہ بہ سینہ چلی آتی ہیں؟

اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

''یہ صحیح حدیث نہیں، موضوع (جعلی) ہے، صوفی تو اہل علم ہوا کرتے ہیں، ان کا قول ہے کہ آیات قرآنی اور احادیث رسول ربانی دونوں کے خاص انوار ہیں، جن سے وہ پہچان لی جاتی ہیں، کلام اللہ کا نور احادیث نبوی سے ممتاز نظر آتا ہے اور احادیث کا نور دوسروں کے اقوال سے الگ محسوس ہوتا ہے، احادیث موضوع اپنی ظلمت سے پہچانی جاتی ہیں، محدثین محققین جن کی عمر خدمت احادیث شریفہ میں زیادہ گزری ہے، ان کو بھی ایسا ملکہ پیدا ہوتا ہے کہ موضوعات کو سنتے ہی پہچان لیتے ہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ صوفیہ کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے، جاہل متصوفین جو جا و بے جا توحید کے مشرب کی باتیں کیا کرتے ہیں، (حالانکہ وحدۃ الوجود کا علمی مسئلہ بھی ان کی سمجھ سے باہر ہے) وہی اس جملہ انا احمد بلا میم کو حدیث کہتے ہیں''۔

پھر سینہ بہ سینہ چلی آنے والی باتوں کے متعلق آپ کی محققانہ وجرأت مندانہ وضاحت ملاحظہ ہو:

''صوفیوں میں سینہ بہ سینہ چلی آنے والی باتیں کوئی خلاف شریعت نہیں ہیں، یہ دو قسم کی باتیں ہیں، اول: وہ مرویات جو ان کو اپنے شیوخ کی روایت سے مسلسل پہنچی ہیں، دوم: ان کے الہامات وانکشافات، اول قسم یعنی صوفیوں کی مرویات جو ان کو اپنے شیوخ کے سلسلے سے پہنچی ہیں، ان میں سے کوئی روایت خلاف شریعت نہیں ہے، یعنی شریعت کے احکام جو فرض وسنت اور حلال وحرام کے متعلق ہیں، ان کے خلاف ان کی روایت کوئی بھی

ایسی نہیں کہ کسی چیز کی فرضیت یا سنت ہونے کا انکار کرے، یا غیر فرض کو فرض کہہ دے یا حرام کو حلال اور حلال کو حرام بتا دے، دوسری قسم: صوفیوں کے انکشافات والہامات ہیں، اس کی بھی حالت یہ ہے کہ وہ مسائل متفقہ فقہی و عقائد صحیحہ اہل سنت کے خلاف نہیں، کیونکہ مکاشفات اولیاء اللہ کا معیار یہ رکھا گیا ہے کہ اگر وہ کتاب وسنت کے موافق نہ ہوں تو غلط اور باطل ہیں، یہ انکشافات اکثر احکام شریعت کے مفاد واسرار کے بیان میں ہوا کرتے ہیں جو سب عین شریعت ہیں، نہ کہ خلاف شریعت، البتہ بعض باتیں نفس شریعت کے خلاف تو نہیں لیکن علمائے شریعت کے قول کے خلاف ہوتی ہیں، مثلاً علما نے ایک حدیث کو ضعیف بتایا اور اہل کشف کے نزدیک ان کے کشف سے وہ حدیث صحیح وقوی ہے یا اس کا عکس، تو یہ کوئی نقصان کی بات نہیں، علما میں خود بہت سی احادیث کے ضعف و صحت میں باہم اختلاف ہے''۔

عرفانی علوم کے متعدد اصناف ہیں، اہم ترین صنف وہ ہے، جس میں تصوف کے اساسی اصول ونظریات بیان کئے گئے ہیں، ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ یہ نظریات غیر قرآنی ہیں اور تصوف کے علمی وفکری سرمایہ کے متعلق بھی بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ قرآن سے زیادہ فلسفۂ اشراق کی ترجمانی کرتا ہے، یہ طبقہ اپنے ثبوت میں صوفیہ کی کتابوں کے وہ اقتباسات پیش کرتا ہے جو بادی النظر میں قرآنی تعلیمات کے خلاف معلوم ہوتے ہیں، حضرت شاہ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے تصوف کے امہات کتب میں اس تدلیس، اضافے اور سعی مسخ حقائق کی مدلل نشان دہی کی ہے، جو ہر عہد میں ہوتی رہی ہے، تدلیس وتلبیس کی یہ نشان دہی آپ کے عمیق مطالعہ، وسعت نظر اور اجتہادی بصیرت کا پتہ دیتی ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی کی بیشتر تصانیف خصوصا فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کا شمار تصوف کے اعلی ترین کتابوں میں ہوتا ہے، ان کے متداول نسخوں کی سرسری اور سطحی مطالعے نے بے شمار مغالطے پیدا کیے ہیں، عقائد صوفیہ پر حرف گیری کرنے والے ان ہی نسخوں کی عبارتوں سے استدلال کرتے ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق کر کے ان غلطیوں کو واضح کیا اور فرمایا:

یہ سارے مضامین غلط ہیں اور شیخ اکبر کا دامن اس سے پاک ہے، اس قسم کے ہفوات بد مذہبوں نے ان کی تصانیف میں بڑھادی ہیں، جیسا کہ امام عبدالوہاب شعرانی کتاب الیواقیت والجواھر ص: ۶ میں لکھتے ہیں:

وجمیع ما عارض کلامه ظاهر الشریعة وما علیه الجمهور فهو مدسوس علیه کما اخبرنی بذلك سیدی ابو طاهر المغربی نزیل مکة المشرفة ثم اخرج لی نسخة الفتوحات التی قابلها علی نسخة الشیخ التی بخطه فی مدینة قونیه فلم ار فیها مما کنت وقفت فیه و وحذفته حین اختصرت الفتوحات۔

ان کا وہ سارا کلام جو ظاہر شریعت اور جمہور کے خیال کے معارض ہو تو وہ پوشیدہ بڑھایا ہوا ہے، جیسا کہ میرے سردار شیخ

ابوطاہر مغربی نے اس کی خبر دی، وہ مکہ مشرفہ میں وارد تھے، بعد اس کے انہوں نے میرے دکھانے کے لئے فتوحات کا نسخہ نکالا جس کا انہوں نے اس نسخہ سے مقابلہ کیا تھا جو خط شیخ کا لکھا ہوا شہر قونیہ میں ہے میں نے اس چیز کو اس میں نہ دیکھا جس پر توقف میں نے کیا تھا، جب میں نے فتوحات کا اختصار کیا تو اس کو حذف کر دیا۔

اس کے بعد بدمذہبوں کے فریب کو بیان کیا ہے کہ امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مرض موت میں ان کے تکیہ کے نیچے برے عقائد پوشیدہ لکھ کر رکھ دئے تھے، اگر ان کے اصحاب ان کے عقیدے سے واقف نہ رہے ہوتے تو بڑا فتنہ ہوجاتا۔

صاحب قاموس مجد الدین فیروز آبادی کے نام سے امام ابوحنیفہ کے رد میں اور ان کی تکفیر میں ایک کتاب پوشیدہ رکھ کر ابوخیاط یمنی کو دی، انہوں نے شیخ مجد الدین کے پاس اس کو بھیج دیا اور ملامت کی، شیخ مجد الدین نے لکھا کہ اس کتاب کو جلاؤ، میرے دشمنوں نے مجھ پر افترا کیا ہے، میں امام ابوحنیفہ کے عظیم معتقدین میں سے ہوں، ان کے مناقب میں ایک کتاب میں نے لکھی ہے۔

امام غزالی کی احیاء العلوم میں بہت سے مسائل کی تحریف کر دی، ایک نسخہ اس قسم کا قاضی عیاض کے ہاتھ پڑا جس کو دیکھ کر انہوں نے اس کتاب کو جلا دیا پھر اپنی کتاب البحر المورود کی نسبت لکھا ہے کہ اس میں کچھ برے عقائد لکھ کر تین برس تک مکہ مکرمہ اور مصر میں مفتری لوگ شائع کرتے رہے، حالانکہ میں اس سے بری ہوں، خلاصۂ مطلب یہ کہ شیخ اکبر کی طرف جتنے ایسے مسائل منسوب کئے جاتے ہیں، جو کتاب وسنت اور جمہور اہل سنت کے خلاف ہیں وہ شیخ اکبر پر افترا اور بہتان ہیں خواہ وہ فصوص میں ہوں یا فتوحات میں، یا کسی اور تصنیف میں۔

سائلین کے جواب میں ان امور کے متعلق حضرت کے محققانہ بیانات سے ساری غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں، ان مسائل پر اس وسعت سے کلام فرمایا ہے کہ ایک کتاب تیار ہوگئی ہے جو فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کے مطالعہ کے لئے ایک محققانہ مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے، ان جوابات کے جامع اور وسیع علمی مواد کے پس منظر میں عرفانی علوم کی تمام کتابوں کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے، آپ کبھی سائل کے سوال کو اس کے الفاظ کی ظاہری سطح پر نہ رکھتے بلکہ تجزیہ کرکے اس کے تمام مضمرات ومقدرات کی بھی تشریح فرمادیتے اور کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جاتا تحقیق کا یہی بلند معیار متصوفانہ شعور کی تربیت میں بھی نمایاں تھا کسی عارفانہ نقطہ کو ذہن نشیں کراتے ہوئے اکابر کے اقوال کی توضیح اور رفع تعارض وتطبیق کے بعد اپنی منفرد تحقیق بیان فرماتے اور اس تحقیق کا مدار قرآن و سنت نبوی پر ہوتا، اسی محقق شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتے، حضرت کی تحقیقات میں بھی اکثر ایسے مقامات آتے ہیں کہ آپ اقوال اکابر کے ناقدانہ مطالعہ کو داعیۂ تحقیق تصور فرماتے ہیں۔

ہر چند کہ آپ مسلکاً حنفی تھے، مگر فقہی احکام و جزئیات میں تقلید محض کے بجائے تحقیق و اجتہاد سے کام لیتے تھے، علمائے اصول نے تحقیق مناط کے لئے مصالح وعلل اور اسرار شریعت کے جس حکیمانہ ادراک کو ضروری قرار دیا ہے وہ آپ کو

حاصل تھا،آپ کے اجتہادی فتاوی میں ائمۂ فقہ واصول کی دقت نظراورنکتہ رسی نمایاں ہے۔

آپ کے شیخ بیعت حضرت نصر قدس سرہ بھی اسی بلند منصب پر فائز تھے اور کبار علما ان کی اس جلالت شان کے معترف تھے،صاحب نزہۃ الخواطر نے ان کے اس امتیاز کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں ’’واسع الاطلاع علی مذہب الحنفیۃ‘‘ لکھا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اولیاء کرام اپنے تزکیۂ باطن،فہم رسا اور تفقہ کی بنا پر براہ راست مشکاۃ نبوت سے اقتباس نور کرتے ہیں،حدود اللہ سے سرمو تجاوز نہیں کرتے،کامل اتباع سنت اور دینی استقامت کی بنا پر ان کو ایسی بصیرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ شریعت میں بجا طور پر اجتہاد اور تفریع احکام کر سکیں،عرفائے طریق صرف انہی امور میں تقلید کرتے ہیں جن کی صراحت شریعت نے کر دی ہو،یا جن پر اجماع ہو چکا ہو،علامہ عبدالوہاب شعرانی کہتے ہیں:

واعلم رحمك الله تعالى ان حقيقة الصوفى فقيهه يعمل بعلمه لاغير على دقائق الشريعة واسرارها حتى صار احدهم مجتهدا فى الطريق والاسرار كما هو شان المجتهدين فى فروع الشريعة لذلك شرعوا فى الطريق واجبات ومحرمات ومندوبات ومكروهات وخلاف الاولى كما هو شان المجتهدين زائدا على ما صرحت به الشريعة واجمع عليه الامة فما من احد منهم حق لهم قدم الولاية الا هو مجتهد فى الطريق ليس عنده تقليد لابما صرحت به الشريعة واجمع عليه الامة (اليواقيت والجواهر مطبوعه مصر،ص: ۱۱)

جان لو خدا تم پر رحم کرے،صوفی درحقیقت فقیہ ہوتا ہے،جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے،اس کے سوا کچھ نہیں،پس اللہ تعالی اس کو اپنے علم کا وارث گردانتا ہے اور دقائق شریعت اور اس کے اسرار کی اطلاع دیتا ہے،یہاں تک کہ ان میں کا کوئی ایک طریقت اور اسرار کا مجتہد ہو جاتا ہے،جیسا کہ فروع شریعت میں مجتہدوں کی شان ہوتی ہے اور اسی وجہ سے وہ راہ طریقت میں واجبات،محرمات اور مکروہات نیز خلاف اولی طے کرتا ہے اور یہ شریعت کی صراحت سے زیادہ ہوتے ہیں،جس طرح اسی کے مانند دوسرے مجتہدین کیا کرتے ہیں،ان میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا قدم ولایت میں قائم وثابت ہو اور وہ مجتہد نہ ہو،اس کے لئے تقلید سوائے ان امور کے جن کی شریعت نے صراحت کر دی ہے،یا جس پر اجماع ثابت ہے،جائز نہیں۔

فقہی تحقیقات:

مولانا کی فقہی تحقیقات ارباب علم وافتا کے لئے بصیرت افروز ہوتی تھیں،ان تحقیقات میں اسباب وعلل کی مجتہدانہ بحث اور اسرار ومناط کے تجزیہ سے فکر ونظر کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں اور سنت نبوی کی حقیقی معنویت منفرد فقیہانہ لباس میں جلوہ گر ہوتی ہے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں علمائے ہند اس کے روادار نہ تھے کہ خطبۂ جمعہ کی ضروری باتوں کا ترجمہ اثنائے خطبہ میں پڑھ دیا جائے،وہ عربی خطبہ میں کسی غیر زبان کی آمیزش گناہ اور عمل سلف کے خلاف سمجھتے تھے۔

آپ نے ۱۹۲۱ء میں سب سے پہلے اس مسئلہ پر مجتہدانہ بصیرت کے ساتھ روشنی ڈالی اور ایک مدلل ومبسوط مقالے میں زیر بحث مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا استقصا کر کے اپنی تحقیق پیش کی، اگر چہ یہ رائے عام علما کے مسلک کے خلاف تھی، مگر اس کے اظہار میں آپ کو بالکل تامل نہ ہوا، اپنی تحقیق کی صحت پر مکمل اعتماد رکھتے تھے، اس مقالہ کی اشاعت کے بعد اگر چہ علما کے درمیان اتفاق عام نہ ہوسکا، مگر اس مسئلہ پر عمل کرنے والوں کو تقویت ہوگئی، ذیل میں آپ کی تحریر ملاحظہ ہو:

''خطبہ جمعہ کا ہو یا عیدین یا کسوف وخسوف یا استسقا کا، عربی زبان میں پڑھنا سنت ہے اور دوسری کسی زبان میں پڑھنا خلاف سنت ہے، فقہا نے ایسا ہی لکھا ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے ہر موقع اور ہر موسم کے احادیث کی کتب میں منقول ہیں، آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم بھی عربی زبان میں خطبے پڑھا کئے، حالانکہ اشاعت اسلام کے لئے یہ بزرگوار شام، مصر، فارس بلکہ افریقہ کے بعض حصوں تک پہنچ گئے تھے، لیکن ہر ملک ہر شہر اور ہر قریہ میں اپنی ہی زبان عربی میں خطبہ پڑھتے رہے، یہ دلیل ہے عربی میں خطبہ پڑھنے کے سنت متوارثہ ہونے کی، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ خطبہ کس غرض سے پڑھنا مقرر کیا گیا ہے، اس کا فائدہ خطبہ پڑھنے والے کے لئے مخصوص اسی کی ذات تک محدود ہے یا سننے والوں کے لئے مخصوص، یا دونوں کا نفع اس میں ہے، ظاہر ہے کہ نفع دونوں کا ہے، لیکن پڑھنے والے کی غرض یہی ہونی چاہیے کہ سننے والوں کو اس خطبہ سے نفع پہنچے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم الہی تھا:

وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾ ــــ (النساء)

اے خاتم النبیین! آپ ان کو نصیحت کریں اور ایسی بات کہیں جو ان کے دلوں میں اثر کرنے والی ہو۔

اس جہت سے آپ کے خطبے لوگوں کی حالت کے موافق، ان کے ادراک اور سمجھ کے مطابق اور موقع اور موسم کے مناسب ہوتے تھے، خود آپ اور آپ کے اصحاب کی زبان عربی تھی تو عربی میں خطبہ کا ہونا لازم تھا، آج کل بھی اگر اسی مناسبت سے سننے والوں کی حالت اور سمجھ کی رعایت کر کے سننے والوں کی زبان میں خطبہ پڑھے جائیں تو وہ زبان کی حیثیت سے وہ خطبہ سنت نہ ہو لیکن معنی اور مفاد کی حیثیت سے وہ خطبہ سنت سے خارج بھی نہ ہوگا اور اس معنی میں سنت بھی ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سامعین کی اور اپنی متحد زبان میں خطبہ فرمایا ہے، تو جو خطیب اپنی اور سامعین کی متحد زبان میں خطبہ کہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اللہ تعالی کے حکم وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا کی تعمیل کرنے والا بہ نیابت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوگا، اس کے خلاف میں یہ ہرگز ادائے نیابت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے نہ ہوگی۔

یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اصحاب رسول نے نومسلموں کی رعایت سے ان کی زبان میں خطبہ کیوں نہ پڑھا، اس کا جواب

ہے کہ اصحاب رضی اللہ عنہم دوسری زبان نہ جانتے تھے، ایک ملک میں انہیں قرار بھی نہ تھا، کبھی شام میں تو کبھی مصر میں، کبھی فارس میں اور حاضر کی زبان میں کوئی آدمی وعظ کہنا چاہے تو جب تک اس زبان میں پوری مہارت حاصل نہ کرلے نہیں کہہ سکتا، اس لئے اصحاب مجبور تھے کہ اپنی ہی زبان میں وعظ کہیں۔

دوسرے یہ کہ جس قدر لوگ مسلمان ہوئے تھے، احکام شریعت کی تعلیم انہی اصحاب سے پاتے رہتے اور بیشتر اوقات ان کے ہم جلیس رہنے کے سبب سے کچھ کچھ عربی سمجھ لیتے تھے۔

تیسری یہ کہ عام دستور ہے کہ فاتحین اپنی زبان کی ترویج چاہتے تھے، مواقع وعظ میں جو کچھ کہنا ہوتا ہے، اپنی ہی زبان میں کہتے ہیں، بہ نسبت مفتوح کی زبان کے، اس لئے اصحاب برابر اپنی ہی زبان میں خطبے پڑھتے رہے۔

عجمی جو اس وقت اسلام میں داخل ہوئے اہل عرب فاتحین کی تتبع میں عربی زبان میں خطبہ پڑھنا ان کا فخر تھا، اس طرح عموماً عربی خطبہ تمام عجم میں رائج ہوگیا۔ دوسری زبان کا خطبہ شاذ و نادر ہی کوئی دیکھا اور سنا جاتا ہے جیسا کہ شیخ سعدی شیرازیؒ کا فارسی منظوم خطبہ مشہور ہے اور پورب بنگالہ کی طرف اردو منظوم جمعہ کا خطبہ پڑھتے ہیں، میں نے متعدد بار سنا ہے۔

دوسری زبان میں خطبہ پڑھنے والوں نے فقہا کی رخصت سے فائدہ اٹھایا ہے یعنی امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ اور امام زفر رحمہم اللہ نے اس شرط پر فارسی زبان میں خطبہ پڑھنے کی اجازت دی ہے کہ عربی عبارت پڑھنے سے وہ عاجز ہوں اور امام اعظمؒ نے بلا شرط، اس کی علت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کوئی حکم نہ فرمایا تو کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھنا گناہ نہیں ہے، سنت فعلی کے خلاف ہے۔

اگر ایسی صورت نکالی جائے کہ خطبہ کی ضروری چیزوں میں سے وہ جس کو عوام بھی عربی الفاظ میں پڑھنا پڑھانا دینی بات جانتے ہیں، مثلاً: ابتدائی کلمات جو اکثر حدیثیہ خطبوں میں ہیں اور حمد و نعت اور درود و کلمۂ تشہد و قرآن مجید کی آیات اپنے حال پر عربی میں رہیں، باقی وعظ و پند کے کلمات سننے والوں کے لئے مناسب حال ان کی زبان میں ہوں تو ایسا خطبہ بھی سنت کہا جاسکتا ہے، اس لئے کہ اس میں خطبات حدیثیہ کے کلمات ضروریہ عربی میں پڑھے جائیں گے اور پند و نصیحت اور ضروری احکام شریعت سننے والوں کی زبان میں جو ان کے حق میں مفید ہوں گے، خطبہ کا مقصد یہی ہے، کل خطبوں میں جو مضمون ضروری اور مشترک ہے، وہ باری تعالی کی حمد ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و تشہد کا کلمہ اور کم سے کم ایک آیت شریفہ قرآن مجید کی ہے اور پند و نصائح کے بیانات کلام اللہ سے یا احادیث سے ہوں، خطبات نبویہ کے ہر خطبے میں یہی ہے اور اس قدر عربی میں پڑھنے سے ادائے سنت ہو جاتی ہے اور خطیب اپنی طرف سے حسب ضرورت سامعین اور ان کی حالت کے جو کچھ چاہیں کہیں، آخر میں درود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل و اصحاب پر اور دعائے نصرت دین اسلام اور مغفرت مومنین و مسلمین ہو“۔

یہ خطبہ کے مشترک اور غیر مشترک مضامین کی وضاحت کے بعد مزید ارشاد فرماتے ہیں:

”عربی خطبہ پڑھنے سے خطیب نے ادائے سنت ضرور کرلی لیکن عربی نہ جاننے والوں کو مفید نہ ہونے کے سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو غرض خطبہ فرمانے سے تھی، وہ یہاں پوری نہیں ہوئی، حاجت ہے کہ خطبوں کی قدر مشترک چیزیں تو عربی میں پڑھی جائیں، اس طرح عربی میں خطبہ پڑھنے کی سنت ادا کی جائے، باقی پند ونصائح واحکام وغیرہ اور خاص خاص مہینوں کے ساتھ متعلق مضامین کو خطبہ سننے والوں کی زبان میں پڑھیں، اس نیت سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سامعین ہی کی زبان میں انہیں احکام بتائے ہیں، میں بھی سامعین ہی کی زبان میں وعظ و پند کرتا ہوں، دین کے احکام بتاتا ہوں، اس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ فرمانے کا مفاد بھی پورا کرتا ہوں، عرب تو آپ ہی کی زبان جانتے تھے، غیر عرب کے بعض سوال کا جواب اسی کی زبان میں آپ نے دیا، ایمان واسلام کی تلقین بھی اسی کی زبان میں کی ہے، خطبہ کے متعلق امام اعظم اور صاحبین رحمہم اللہ تعالی کا اختلاف اور ان کی دلیلیں جو بالتصریح لکھی گئیں، پورا خطبہ غیر عربی زبان میں پڑھنے کے متعلق ہیں اور فقہا نے اس کو جائز کہہ کر خلاف سنت متوارثہ ہونے کے سبب سے اس کو مکروہ تنزیہی لکھا ہے، لیکن خطبہ میں کلمات مسنونہ اور ماثورۃ ضرور یہ پڑھ لینے کے بعد اگر عیدین اور صیام وغیرہم کے احکام اور پند ونصائح بھی عربی میں پڑھے جاچکے ہوں، یا نہ پڑھے گئے ہوں، وہ سب عوام کو مطلع کرنے کی غرض سے فارسی یا اردو میں سنادئے جائیں تو ایسے خطبے پر مکروہ تنزیہی ہونے کا بار بھی نہ ہونا چاہیے، اس لئے کہ خطیب خطبہ کے کلمات مسنونہ کو پڑھ کر ادائے سنت متوارثہ کے فرض سے فارغ ہو چکا ہے“ یہ محققانہ موشگافیاں اور علمی نکتہ آفرینیاں داد سے مستغنی ہیں۔

خطاب سے معذرت

ملک وملت میں آپ کی سیادت علم وعرفان تو مسلم تھی ہی، پھر بھی حکومت برطانیہ نے آپ کے اثرات کی بنا پر ۱۹۱۵ء میں شمس العلماء کا خطاب پیش کیا، لیکن وہ جس مسند ارشاد پر متمکن تھے، وہ عرفان وتزکیۂ باطن کی مسند تھی، یہاں ذکر وشغل، زہد وورع اور فقر ودرویشی کی قدر تھی، اقلیم باطن کے تاجداروں نے دنیاوی اعزاز کو اپنے منصب سے ہمیشہ فروتر تصور کیا ہے اور اس سے نفور و گریزاں رہے ہیں، آپ جس سجادہ پر متمکن تھے اس کی تو خصوصی روایت استغنا و بے نیازی رہی ہے۔

بانئ خانقاہ مجیبی حضرت تاج العارفین قدس سرہٗ کے توکل وقناعت کا ذکر کرتے ہوئے صاحب تذکرۃ الکرام نے لکھا ہے کہ نواب قاسم علی خان صوبے دار نے اپنے عروج وترقی کے زمانے میں بعض ارکان دولت کی تحریک اور اپنی عقیدت مندی کی بنا پر یومیہ رقم خرچ خانقاہ کے لئے مقرر کی اور ایک پروانہ ۱۷۵۰ء میں بایں عبارت لکھ بھیجا:

’’برائے خدمت وارد وصادر کفاک ضرور است، پروانہ یومیہ مع مبلغ سی صد روپیہ متضمن براں کہ مبلغ پنج روپیہ یومیہ جہت خانقاہ آں ولی متوکل مقرر کردہ شد‘‘

حضرت تاج العارفین نے پروانہ کی پشت پر یہ عبارت لکھ کر پروانہ واپس کر دیا:

’’بردر کریمے کہ نشستہ ایم الی الآن مقرر ومعین ما را بند نہ کردہ وکاسۂ رزقِ ما را نہ شکستہ کہ بردر دیگر رویم‘‘

میں جس کریم کے در پر بیٹھا ہوا ہوں، اس نے اب تک میرا مقررہ روزینہ بند نہیں کیا ہے اور نہ میرا کاسۂ رزق توڑا ہے کہ میں دوسرے کے در پر جاؤں۔

۱۷۵۱ء میں شاہ عالم بھی حاضر خدمت ہوا اور اس نے خرچ خانقاہ کے لئے جاگیر پیش کرنی چاہی مگر حضرت تاج العارفین نے انکار فرمایا۔

حضرت مولانا شاہ بدرالدین قادری کو بھی حکومت کی یہ پیش کش ناگوار گزری اور خطاب، تمغہ وخلعت قبول فرمانے کے بجائے اپنی ناراضگی سے حکومت کو باخبر کرنا چاہتے تھے، مگر سر فخرالدین وزیر تعلیمات اور نورالہدی صاحب سابق جج پٹنہ کے پیہم اصرار کی وجہ سے خاموش رہے اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار سب سے کر دیا، سر علی امام کو جو اس زمانہ میں سرکاری حلقہ میں بڑی اہمیت رکھتے تھے، ایک مفصل خط کے ذریعہ اپنی ناپسندیدگی سے مطلع کر دیا لیکن ان لوگوں نے حالات کی نزاکت کی بنا پر کچھ عرصہ تک آپ کو باضابطہ واپسی سے باز رکھا مگر آپ کے دل میں یہ بات برابر کھٹکتی رہی بالآخر تحریک ترک موالات نے اس کا مناسب موقع فراہم کر دیا اور آپ نے خطاب اور اس کے لوازمات واپس کر دئے۔

امارت شرعیہ

آپ کے ارشادات وافادات کا دائرہ صرف علم وفن اور فقر وعرفان ہی تک محدود نہ تھا بلکہ ملک وملت کی وسیع اور عظیم الشان خدمات کی بنا پر اس عہد کے تمام اہم اور دینی تحریکوں میں آپ کی حیثیت بہت ممتاز نظر آتی ہے، اس سلسلہ میں امارت شرعیہ خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

سب سے پہلے ۱۹۲۰ء میں جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاس منعقدہ دہلی میں مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمۃ نے ہندوستان میں اسلامی نظام زندگی قائم کرنے کی طرف علما کی توجہ مبذول کرائی، اس تجویز نے ملک میں قیام امارت کا ولولہ پیدا کر دیا لیکن کہیں کوئی عملی صورت نہ پیدا ہوسکی، صرف بہار کو اسے جامۂ عمل پہنانے کا شرف حاصل ہوا، جون ۲۱ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کی زیر صدارت علما ومشائخ بہار نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بہار واڑیسہ کا امیر شریعت منتخب کیا، آپ کے اثر سے تحریک امارت نے بہت جلد ایک فعال ادارہ کی شکل اختیار کر لی، مولانا محمد سجاد علیہ الرحمہ آپ کے نائب اور مشیر کی حیثیت سے برابر شریک کار رہے، امارت کے ذریعہ فتنۂ ارتداد کے استیصال، تبلیغ دین، زکوۃ وصدقات کی تنظیم اور قضا وافتا کے سلسلہ میں

بے نظیر کام ہوا اور بہار میں مستحکم شرعی نظام قائم ہوگیا۔

اس تحریک کی یہ بڑی خوش نصیبی تھی کہ اس کو حضرت مولانا شاہ بدرالدین قادری جیسی جامع کمالات ہستی کی امامت اپنے اولین مرحلہ ہی میں حاصل ہوگئی، مولانا مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں:

”امارت کی تنظیم میں مسلمانان بہار کو کامیابی ہوئی اور میرے نزدیک اس کامیابی میں سب سے زیادہ تحسین وتبریک کا مستحق مسلمانان بہار کو ان کے اس فیصلے نے بنادیا جو انہوں نے امیر کے انتخاب میں اختیار کیا، مسلمانوں کی ذمہ داریوں میں صحیح معنوں میں وہی عہدہ برآ ہوسکتا ہے جس کا دل بھی دماغ کے ساتھ روشن ہو، تنہا دماغ یا صرف دل کی روشنی سے یہ کام انجام نہیں پاسکتا، مکی زندگی کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کی تجلیاں جس کے اندر تڑپتی ہوں، مسلمانوں کا سچا امیر اور صحیح امام وہی بن سکتا ہے، بہار کی امارت شرعیہ کے امیر اول سیدنا الامام مولانا شاہ محمد بدرالدین قادری قدس سرہ العزیز کی ذات گرامی سمات میں یہی جامعیت پائی جاتی تھی ــــ(حیات محی الملۃ والدین ص:۱)

اس ذاتی عظمت اور ہمہ گیر اثر ورسوخ کے علاوہ آپ نے علمی طور پر بھی امارت کی ضرورت اور نصب امام کے وجود پر بڑی پرزور تحریریں لکھی ہیں اور کتاب وسنت کے نصوص اور فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں اس معاملہ کی اہمیت واضح کی ہے، مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اپنے خطبۂ بنگال میں اس کا اعتراف کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ نصب امارت کی ضرورت واہمیت شک وشبہ سے بالاتر ہے، اس موضوع پر امارت شرعیہ بہار نے اہم ترین مواد پیش کردیا ہے۔

سیرت کی ممتاز خصوصیات

علم وعرفان کی اس جامعیت کے باوجود فخر وادعاء، کبر واعجاب، ریا وسمعہ سے بالکل پاک تھے، آپ کی سیرت کی جو ممتاز خصوصیت سب سے زیادہ پرکشش تھی، وہ آپ کی بے نفسی تھی، جس کی شہادت علما ومشائخ اور خدام کے علاوہ آپ کی تصانیف بھی دیتی ہیں۔

آپ کے عہد کے مشائخ میں بہار شریف کے ایک ممتاز بزرگ نے آپ کی برگزیدگی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

میں نے اپنی اس عمر میں بڑے بڑے عرفا کو دیکھا، بڑے بڑے خدارسیدہ اور بہت سے صاحب سجادہ اور پیرزادوں کو دیکھا، مگر حق یہ ہے کہ ایسا بے نفس بزرگ میری نظر سے تو نہ گزرا“۔

حقیقت یہ ہے کہ بزم علم ودانش ہو یا حلقۂ عرفان، آپ ہر جگہ بے حد انکسار اور اخفائے حال سے کام لیتے تھے، خانقاہ مجیبی کی سجادگی سے پہلے آپ کو ایک بار لکھنؤ کے سفر کا اتفاق ہوا، حضرت مولانا فتح محمد تائب صاحب خلاصۃ التفاسیر کے یہاں

مہمان ہوئے، ایک دن مولانا شاہ محمد عبدالرزاق قادری فرنگی محلی سے ملنے کے لئے مولانا فتح محمد صاحب اور اپنے دوسرے رفقا کے ساتھ ان کی خانقاہ میں تشریف لے گئے، کچھ دیر کے بعد اسی مجلس میں شاہ التفات احمد صاحب سجادہ نشیں ردولی بھی تشریف لائے، صاحب سلامت کے بعد وہ ایک ممتاز جگہ پر حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب کے قریب بیٹھ گئے اور ان سے باتوں میں مشغول ہوئے، لیکن اثنائے گفتگو میں بار بار ان کی نگاہ آپ کی طرف اٹھتی رہی، آخر انہوں نے آپ سے مخاطب ہو کر مکان پوچھا، آپ نے فرمایا: اطراف پٹنہ۔ اس مختصر جواب کی وضاحت اور آپ کا مکمل تعارف کرانے کے لئے مولانا فتح محمد صاحب نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا، مگر آپ نے اشارہ سے روک دیا، تھوڑی دیر کے بعد شاہ التفات احمد صاحب نے پوچھا کہ اطراف پٹنہ میں ایک جگہ پھلواری شریف ہے، جناب وہاں سے واقف ہیں؟ آپ نے فرمایا: بخوبی! پھر پوچھا: وہاں سے جناب کا کوئی تعلق بھی ہے، آپ نے فرمایا: بیعت اور غلامی کا شرف وہیں سے حاصل ہے، جناب کو وہاں کس سے بیعت ہے؟ شاہ التفات صاحب نے دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ میں حضرت مولانا شاہ علی حبیب نصر کا غلام ہوں، پھر انہوں نے خانقاہ کی حالت پوچھی، اس وقت کے صاحب سجادہ کا نام پوچھا، خانقاہ کے مزید حالات دریافت کئے، آپ نے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی، یہ سن کر شاہ التفات صاحب نے فرمایا: جس تفصیل کے ساتھ آپ سب کچھ بتا رہے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب کو وہاں کی جزئیات تک کی خبر ہے، آپ خاموش ہو گئے، اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے کہا کہ حضرت شاہ علی حبیب قدس سرہ کے خلیفہ اور داماد جناب شاہ بدرالدین صاحب کے خلیفہ خواجہ سید حسن صاحب آروی سے مجھے طریقۂ قادریہ وارثیہ بھی پہنچا ہے، آپ نے محض لاعلمی کے انداز سے فرمایا: جی ہاں پہنچا ہوگا، راستے میں مولانا فتح محمد صاحب نے فرمایا: جناب نے تو وہ کمال کیا جو کسی سے ممکن نہیں، گفتگو کا وہ عنوان اختیار کیا جس سے وہ ذرہ برابر نہ سمجھ سکے کہ جناب خاص پھلواری کے رہنے والے اور خانقاہ کے رکن ہیں اور طرفہ تو یہ ہے کہ آخر میں آپ کا نام لے کر تعلق بھی ظاہر کر گئے، مگر آپ نے یہ نہ سمجھنے دیا کہ جناب شاہ بدرالدین آپ ہی ہیں، میں بار بار چاہتا تھا کہ جناب کا تعارف ان سے کرادوں، مگر آپ کے ایما کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا، ورنہ بات تو منہ تک آچکی تھی، آپ نے فرمایا کہ ان کا نہ سمجھنا بہت بہتر ہوا، مجھے اپنے تعارف اور اپنے پیر کی خصوصیات ظاہر کرنے میں ادباً احتیاط منظور رہے، جب آپ مولانا فتح محمد صاحب کے مکان پر پہنچ گئے تو شاہ التفات صاحب کو کچھ خیال آیا اور آپ نے حضرت شاہ عبدالرزاق قادریؒ سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ تھے جو ابھی آپ کے یہاں تشریف لائے تھے؟ شاہ صاحب نے ہنس کر فرمایا: اتنی دیر تک جناب نے گفتگو کی، جب بھی نہ پہچانا، یہی بزرگ شاہ بدرالدین صاحب تھے، خاص پھلواری کے رہنے والے اور حضرت مولانا شاہ علی حبیب قدس سرہ کے داماد اور خلیفہ ہیں، شاہ التفات احمد صاحب نے کہا کہ میں تو اتنی دیر سخت مغالطہ میں پڑا رہا، دیر تک ان سے گفتگو ہوتی رہی، پھلواری کے حالات پوچھتا رہا، وہ پوری واقفیت کے ساتھ بیان کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے ان کا نام لے کر اپنے تعلق کو بھی بیان کیا، جب بھی انہوں نے ظاہر نہ ہونے دیا، اللہ رے آپ کا انکسار و استتار، میں تو قائل ہو گیا۔ (غم پر ملال از نیر پھلواروی)

بعض ارباب علم وفضل جب علمی استفاضہ کے لئے رجوع ہوتے تو آپ اصلاح ورہبری تو ضرور فرما دیتے مگر اظہار تفوق سے کلیتاً اجتناب فرماتے، ترک موالات کی تحریک کے اکثر پہلو مولانا ظفر الدین صاحب رضوی کے نزدیک شرعی حیثیت سے محل نظر تھے، انہوں نے اپنے رسالہ ہادی الہداۃ میں مولانا آزاد اور دیگر علمائے کرام سے اختلافات کا اظہار کیا اور اس رسالہ کا مسودہ آپ کی خدمت میں اصلاح کے لئے بھیجا، آپ نے قرآنی آیات کے ترجمہ میں مصنف سے جو تسامح ہوا تھا وہ دور فرما دیا اعتراضات کی ساری امارت از خود منہدم ہوگئی لیکن اصلاح میں جو بے نفسی تھی، اس کا اظہار آپ کے مکتوب کے ان جملوں سے ہوتا ہے:

"علمی تحریروں میں اصلاح یا کم وبیش کرنا علما کا منصب ہے، میرا منصب نہیں... میں نے ایک خدمت کر دی ہے کہ کاتب نے کتابت میں جو غلطی کی ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیت شریفہ سے کہیں سے کوئی لفظ چھوٹ گیا ہے اور کوئی بڑھ گیا ہے پھر آپ کی عبارت میں بھی کہیں پر بعض لفظ اس نے چھوڑ دیا تھا میں نے لکھ کر صحیح کر دیا ہے"۔(لمعات بدریہ، ترجمہ کی غلطیوں کی اصلاح اور تفسیر وترجمہ کے فرق کی وضاحت اس کے بعد والے اقتباس میں ہے)

دربھنگہ کے ایک ذی علم طبیب کے ایک خط کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

"مضمون مسئول کی نسبت آپ کی تشفی خاطر کرنے سے پہلے مجھے یہ کہنا ہے کہ میں بڑے بڑے القاب کے لائق نہیں، میں اپنے خالق ومالک کا گنہگار غافل بندہ ہوں، اگر آئندہ کبھی مجھے یاد فرمائیں تو ان القاب سے معاف فرمائیں"

ورع وتقوی

آپ کی سیرت کا اہم ترین پہلو اس بے نفسی اور انکسار کے ساتھ وہ کمال وورع وتقوی ہے جس نے آپ کی ذات میں تقدس وپاکیزگی پیدا کر دی تھی، اسی لئے آپ کے آستانہ پر "ہدیہ دل وجان" پیش کرنے والوں کا ہجوم رہتا تھا اور علما ومشائخ سے لے کر عوام تک اپنے دلوں میں شیفتگی اور گرویدگی محسوس کرتے تھے۔

مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی ؒ نے ایک مرتبہ آپ کے منجھلے فرزند مولانا شاہ قمر الدین امیر شریعت ثالث سے پوچھا کہ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کے والد ماجد کی طرف لوگوں کے قلوب کیوں اس قدر کھنچے جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں نہیں کہہ سکتا، شاہ صاحب نے فرمایا کہ ان کا اخلاص اور کمال تقوی ہے جو سب کو اپنی طرف متوجہ کئے ہوئے ہے۔

حضرت نیرؔ پھلواروی فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نے نہایت خوش نما چائے کی پیالیوں کا ایک جوڑا مجھے دیا کہ میری جانب سے آپ کی خدمت میں نذر کر دو، میں نے نماز مغرب کے بعد خلوت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ فلاں صاحب نے چائے کی یہ پیالیاں خدمت میں نذر کی ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ واپس کر دو، میں نہیں لوں گا، چہرۂ مبارک پر برہمی کے آثار تھے، میں فی الفور باہر چلا آیا اور میں نے پیالیاں ان کے سامنے رکھ دیں، انہوں نے پوچھا کہ واپسی کی وجہ کیا ہے؟ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا، انہوں نے کہا کہ میری طرف سے دوبارہ لے جا کر پیش کرو، اور کہو کہ میں پیالی اسی نیت سے لایا تھا، چونکہ میری کوئی نذر رد نہیں

فرمائی گئی ہے، اس لئے امید ہے کہ یہ بھی قبول کرلی جائے گی، میں نے کہا: مجھ میں اب ہمت نہیں، ان شاء اللہ کل موقع دیکھ کر عرض کروں گا، صبح کے وقت خلوت میں حاضر ہوا اور مزاج مبارک خوش پا کر دریافت کیا کہ رات پیالی کی قبول نہ کرنے کی وجہ معلوم نہ ہوئی، ارشاد ہوا کہ تم کو یاد نہیں کہ دو چار روز ہوئے، وہ مجھ سے پانچ روپے مانگ کر لے گئے ہیں اور تم ہی نے لے جا کر دئے ہیں، ادائے قرض سے پہلے ان کی کسی چیز سے میرے لئے انتفاع جائز نہ ہوگا، اگر میں اس کو لے لوں تو میرے لئے سود ہو جائے گا، اس لئے ابھی تو میں نہیں لے سکتا، کمال تقوی یہ تھا کہ آپ مشتبہ چیزوں سے بھی کلیتاً اجتناب واحتراز فرماتے تھے۔

ایک بار خادم نے اپنی لاعلمی سے زکوۃ کے پانچ روپے نذر کے بیس پچیس روپوں میں یکجا کر کے رکھ لئے اور مغرب بعد خلوت میں حاضر ہو کر ان روپوں کو جیب سے نکالا اور پانچ روپے علیحدہ رکھے، آپ نے فرمایا کہ اب اس روپیہ کو علیحدہ رکھنے کا کیا فائدہ ہے؟ اس پانچ روپے سے وہ سارے روپے مشتبہ ہو گئے، اس کی تعیین کیوں کر ہو سکتی ہے کہ زکوۃ کے روپے کون تھے اور نذر کے کون؟ سب کو ایک جگہ کردو اس کو بھی زکوۃ ہی کے مد میں رکھ دیتا ہوں، یہ فرما کر آپ نے سارے روپے زکوۃ کی مد میں اٹھا کر رکھ دئے، ان میں سے ایک بھی اپنی ذات پر صرف نہ فرمایا۔

وفات سے ایک ہفتہ پہلے ڈاکٹر ایس پرشاد خلوت میں حاضر ہوئے، دیکھنے کے بعد عرض کیا: کہ حضور کو ملیریا ہے اور یہ تپ اسی کی ہے، اگر حکم ہو تو ہومیو پیتھک کی دوا ایک خوراک بنا کر حاضر کردوں، آپ نے ارشاد فرمایا: نہ میں ڈاکٹری دوا پیتا ہوں نہ ہومیو پیتھک، کیونکہ ایک میں الکحل اور دوسری میں اسپرٹ ہوتی ہے اور یہ دونوں ہی میرے نزدیک ناجائز ہیں۔

مرض ہو یا صحت ہر حال میں خورد ونوش اور استعمال وصرف کی تمام اشیاء میں غایت درجہ احتیاط وتقوی سے کام لیتے تھے، وفات سے ایک سال پہلے آپ نے آخری ملبوس مبارک (کفن) کا اہتمام تقوی اور طہارت کے معنوی برکات کے ساتھ آپ نے جس طرح فرمایا تھا، وہ آپ کے غایت تورع کا مظہر ہے۔

۱۲۹۵ھ میں آپ کے پیرزادے حضرت شاہ عبد الحق نے جب بیعت کی تو دو روپے نذر کے طور پر پیش کئے، پھر اپنے نکاح کے موقع پر انہوں نے ایک اشرفی کی نذر گزرانی، یہ نذر پیرزادے کی تھی اور آپ ان مشائخ میں سے تھے جن کے نزدیک پیر ومرشد سے نسبت رکھنے والی ہر چیز قابل اعزاز وتکریم ہوتی ہے، یہ رقم آپ نے اسی وقت اس کام کے لئے مخصوص ومحفوظ کردی، جس کاغذ میں یہ رقم ملفوف تھی، اس پر آپ کی یہ تحریر ہے:

''دو روپیہ کہ خاص از جناب حضرت مولوی شاہ محمد عبد الحق صاحب مدظلہ وقت بیعت بطور خاص عنایت شدہ بود برائے کفن خود داشتم محبین ووارثین من بہ ہمیں کار صرف نمایند ویک اشرفی کہ وقت عقد نکاح خود بہ مقام بہار عنایت نمودہ بودند نیز بہ ہمیں مطلب داشتہ ام کہ بہ تجہیز وتکفین بہ کار آید۔

راقم
محمد بدر الدین قادری

۱۳۴۱ھ کے ماہ ذی قعدہ میں یاز دہم کے بعد جناب حضرت مولوی فیض محمد رحمۃ اللہ علیہ کو خلوت میں طلب فرما کر کاغذ کے ایک ٹکڑے میں لپیٹ کر وہ رقم ان کو دی اور تاکید فرمائی کہ یہ دو روپے ہیں، آپ ان کو علیحدہ رکھیں اور دوسرے روپوں میں نہ ملائیں، اسی روپے کی روئی خرید کر سوت بنوائیں، مگر روئی خریدنے کے بعد جو لوگ اس کے بنگولے چنیں، پھر اس کی پولیاں بنائیں، اس کے بعد خرچہ پر سوت کاتیں تو اس طرح کہ یہ تمام کام وضو اور طہارت کے ساتھ ہو اور درود شریف کا ورد بھی جاری رکھیں، اسی طرح بننے والے بھی باوضو ہوں اور تانی و بھرنی میں ہر وقت درود پڑھتے رہیں۔

حق مزدور خدمت

آپ جب بھی کسی سے کوئی خدمت لیتے تو اس کے معیار سے زیادہ اس کی اجرت مرحمت فرماتے، پٹنہ کچہری میں ایک صاحب آپ کے متوسلین میں تھے اور وہ دفتری کی خدمت انجام دیا کرتے تھے، بے مرمت کتابوں کی جلد سازی کے لئے آپ انہیں خانقاہ بلانا چاہتے تھے مگر یہ گوارا نہ تھا کہ ان کا نقصان ہو، جب یہ اطلاع ملی کہ وہ ترک ملازمت کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے اپنے خادم خاص سے ارشاد فرمایا کہ وہاں ان کو دس روپے ماہانہ ملتے ہیں، اگر وہ خانقاہ کے نوکر ہو جائیں اور جلد سازی کی خدمت اپنے ذمہ لے لیں تو میں ان کو پندرہ روپے ماہوار تک دے سکتا ہوں۔

حاجت مندوں کی پوشیدہ امداد

حاجت مندوں اور سائلوں کا سوال کبھی رد نہ فرماتے، خود تو اسباب معاش سے بے نیاز، خالص متوکلانہ زندگی بسر کرتے تھے، مگر آپ کے آستانہ پر سائلوں کا ہجوم ہوتا تھا اور آپ برابر ان کی حاجت روائی فرماتے رہتے تھے۔

آپ کے خوان کرم سے بے شمار یتیموں اور ناداروں کی پرورش ہوتی تھی، اہل قرابت اور غیر اہل قرابت، متوسلین اور غیر متوسلین میں بے شمار غربا اور مساکین ایسے تھے جن کی آپ مالی امداد و اعانت اس طرح فرماتے کہ اعزہ اور خدام خاص میں سے کسی کو علم نہ ہوتا، آپ کی وفات کے بعد آپ کی اس فیاضی کا احترام متعدد حضرات نے کیا۔

عسر میں خندہ جبینی

عسر و یسر دونوں حالتوں میں آپ کے معمولات، عبادات و ریاضات، مشاغل و اوراد اور خلق ظاہر و باطن میں کبھی کوئی فرق نہیں ہوتا تھا، فیاضانہ وضع داری ہمیشہ قائم رہی، معاشی اعتبار سے ایسے نامساعد حالات بھی پیش آئے کہ خود آپ اور آپ کے خانوادے کے تمام حضرات نے ابالے ہوئے چنے ہفتہ دو ہفتہ نہیں عرصۂ دراز تک کھائے، مگر آپ کی خندہ جبینی اور رلینت خلق برقرار رہی اور اگر کوئی مہمان آگیا تو کسی عنوان سے اس کے حسب حیثیت اس کی مدارات بھی کر دی۔

غیبت سے نفرت

آپ کبھی کسی کے پس پشت اس کو برا نہ کہتے اور کسی کی جرأت نہ تھی کہ وہ آپ کی مجلس میں کسی کی غیبت کرے، یہ

خصوصیت صرف تقریر کی حد تک نہ تھی، تحریر میں بھی آپ اس درجہ محتاط تھے کہ علمی، فکری ہر طرح کے مسائل میں اپنے اختلافات کو بے باکانہ طور پر ظاہر فرما دیتے مگر کسی کے علم وفضل کی توہین یا اس پر ذاتی حملہ کو گوارا نہیں کرتے تھے۔

تحریک خلافت اور تحریک موالات کا عہد نہایت پرشور و پر آشوب تھا، افکار وآرا کا تصادم رزم و پیکار کی صورت اختیار کرتا جا رہا تھا، اس عہد میں بھی آپ کے مضامین ذاتی مناقشات سے پاک، اعلی درجہ کی متانت کا نمونہ ہوتے تھے، دوسروں کو بھی اسی راہ پر گامزن ہونے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

صدق وامانت

راست گفتاری اور امانت آپ کی طینت میں تھی، آپ کبھی کذب وخیانت کے قریب بھی نہیں گئے، عہد طفولیت سے صادق وامین تھے، مذاق ومزاح میں بھی خلاف واقعہ کہنے کو آپ گناہ تصور فرماتے تھے، آپ کے زمانہ طفولیت میں کسی نے آپ سے کہا کہ فلاں شخص سے مذاق میں فلاں بات کہہ دو، آپ نے فرمایا یہ مجھ سے کبھی نہ ہوگا، والد صاحب نے مجھ سے فرمایا ہے کہ جھوٹ بولنا گناہ ہے۔

آپ کے پیر ومرشد شیخ الاسلام حضرت نصر قدس سرہ آپ کی صدق مقالی کی اکثر تعریف فرمایا کرتے تھے، فرماتے کہ جب شرف الدین بھائی کسی بات کے کہنے کو ''بدر الدین'' کو ہمارے یہاں بھیجتے ہیں اور وہ کہنا شروع کرتے ہیں تو میں ان کے الفاظ پر غور کرتا رہتا ہوں، لفظ بہ لفظ شرف الدین بھائی کے بیان کو میرے سامنے ادا کرتے ہیں اور ایک ذرہ بھر اپنی طرف سے الفاظ کا اضافہ نہیں کرتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکا شرف الدین بھائی کی زبان اپنے منہ میں لے کر آتا ہے۔

جب آپ علم وعرفان کے صدر نشیں ہوئے تو تقریر کی طرح تحریر میں بھی روایت بالمعنی سے آپ کو احتراز ہوتا اور جب کسی کی بات نقل کرنی ہوتی تو آپ اسی کے الفاظ میں بیان فرماتے، الفاظ میں رد وبدل کو آپ خلاف امانت تصور فرماتے، اسرار شریعت وطریقت کی طرح آپ بہت سے لوگوں کے رازوں کے بھی امین تھے، لیکن کبھی کسی کا راز آپ نے کسی پر ظاہر نہ فرمایا اگر کسی نے امانتاً کوئی چیز آپ کے پاس رکھی تو اس کو بجنسہ وہی چیز لوٹائی، امانت کے روپوں میں دوسرے روپے ملانے کو سخت ناپسند فرماتے۔

اپنی وفات سے کچھ پہلے آپ نے مختار وحید صاحب کو طلب فرما کر اپنے امانت داروں کی ایک فہرست مع اشیا لکھوائی اور چیزوں کی نشاندہی کر دی، ارشاد فرمایا کہ جس کی امانت واپس کی جائے اس کے نام کے سامنے نشان دے دیا جائے، جب فہرست مکمل ہوگئی تو آپ نے اپنے دستخط کے بعد اسے محفوظ رکھ لیا، اگر کسی نے آپ سے قرض لیا تو آپ نے واپسی کا تقاضا کبھی نہیں کیا، مصنف ''غم پر ملال'' لکھتے ہیں کہ ایک بار میں نے کچھ روپے بطور قرض لئے تھے، جب میں واپس کرنے کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے روپے قبول فرمائے اور زیر لب ارشاد فرمایا اوفاك الله تعالى كما اوفيتني، پورے الفاظ کی عدم سماعت

کی وجہ سے انہوں نے عرض کیا: کچھ حکم ہوتا ہے؟ فرمایا: نہیں! میں نے دعا پڑھی ہے، حدیث میں آیا ہے کہ جب تم سے کوئی کچھ مانگ کر لے جائے تو یہ پڑھو، پھر آپ نے وہ دعائیہ الفاظ دہرائے۔

علما و مشائخ سے تعلقات

آپ کی ذات میں علم و عرفان کی اعلی خصوصیت جمع ہوگئی تھی، اس لئے آپ اپنے عہد میں ارباب فضل و کمال اور اساطین فقر و تصوف دونوں کے مرجع تھے، لیکن بہ ایں ہمہ آپ سب کی تکریم کرتے تھے، علمائے کرام خواہ آپ کے متوسلین و مسترشدین میں کیوں نہ ہوں، ان کا احترام ملحوظ رکھتے، قدیم بزرگوں کی خانقاہوں کے سجادہ نشیں آتے تو آپ تکریماً فرش کے کنارے تک تشریف لا کر ان کا خیر مقدم کرتے، اکثر خانقاہوں اور درگاہوں کے مشائخ آپ کے جامع السلاسل ہونے کی بنا پر آپ سے استفاضہ کرتے، خواجہ حسن نظامی، شاہ التفات احمد ردولی اور دائرۂ شاہ اجمل الہ آباد کے مشائخ نے آپ سے بعض چیزوں کی اجازت حاصل کی تھی، بہار کی اکثر خانقاہوں کے پیرزادوں اور مشائخ نے بھی آپ سے استفاضہ کیا تھا، آپ کے علمی کمالات اور زہد و تقوی کی اعلی صفات کی بنا پر پٹنہ، گیا، آرہ، مونگیر، بہار شریف کے علما و مدرسین کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے اکابر علم و فضل سب آپ کے گرویدہ تھے، علمائے فرنگی محل میں مولانا عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلقات تھے، وہ آپ کے علم و عرفان کے بے حد مداح تھے، مولانا فتح محمد تائب آپ کی ذات ستودہ صفات سے بے حد گرویدگی رکھتے تھے، مفتی کفایت اللہ دہلوی آپ کے تبحر علمی کے ثنا خواں تھے، علمائے کرام کی جتنی تعداد آپ کے گرد مجتمع ہوگئی تھی، اس کی مثال بہ مشکل کہیں اور مل سکے گی، صاحب نزہۃ الخواطر مولانا حکیم عبد الحی ناظم ندوۃ العلما نے پھلواری آ کر آپ سے ملاقات کی، انہوں نے آپ کے متعلق جن تاثرات کا اظہار کیا ہے، ان سے اس عہد کے تمام اکابر علما کے محسوسات کی ترجمانی ہوتی ہے، فرماتے ہیں:

الشیخ العالم الفقیه الزاهد بدر الدین ابن شرف الدین ابن الهادی ابن الاحمدی الجعفری الحنفی الپهلواری احد کبار المشایخ رزق قبولا عظیما فی ولایة بهار وقصده الطالبون لله من انحاء البلاد واشتهر علمه وزهده ونزاهة نفسه وجرأته فی قول الحق وحرصه علی نفع المسلمین فاختاروه امیرا للشریعة فی بهار واستقام علی ذلك بصدق وعفة ونصیحة للمسلمین حتی لقی الله

لقیته بپهلواری فوجدته شیخا صدوقا متوددا احسن الاخلاق حسن السمت والهدی ملیح الشمائل شدید التعبد مدیم الاشتغال بالکتب یلوح علیه اثار التوفیق والقبول(نزهة الخواطر، الجزء الثامن،ص:۸۸)

شیخ، عالم، فقیہ، زاہد جناب شاہ بدر الدین ابن شرف الدین ابن ہادی ابن احمدی حنفی جعفری اپنے عہد کے کبار مشائخ میں سے ہیں، صوبۂ بہار میں آپ کو عظیم ترین مقبولیت حاصل ہے، ملک کے اطراف و اکناف سے طالبین حق آپ کی خدمت میں حاضر

ہوتے رہے ہیں، آپ کے علم، زہد، تقدس اور جرأت حق نیز دردمندی ملت کی شہرت ہمہ گیر ہے، بہار کے مسلمانوں نے آپ کو امیر شریعت منتخب کیا تو آپ نے صدق واخلاص کے ساتھ مسلمانوں کی صلاح وفلاح پر استقامت اختیار فرمائی، یہاں تک کہ واصل بحق ہوئے۔

میں پھلواری ان کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، میں نے ان کو شیخ کامل، صاحب محبت، کریم الاخلاق، فیاض اور صاحب اتحاف پایا ہے، آپ نہایت حسین وجمیل، سخت ترین عبادت و ریاضت کرنے والے، ہمیشہ مطالعۂ کتب میں مشغول رہنے والے ایسے بزرگ ہیں جن کی پیشانی پر قبول وتوفیق کے انوار چمکتے ہیں۔

ذوق مطالعہ

آپ کے معمولات میں ریاضت ومجاہدہ کے ساتھ مطالعۂ کتب کو بھی بڑی اہمیت حاصل تھی، نماز عشا کے بعد معمولات سے فارغ ہو کر آپ کتابوں کے مطالعہ میں منہمک ہو جاتے اور یہ سلسلہ نصف شب تک جاری رہتا، دوپہر کو بھی گھنٹے دو گھنٹے تک آپ کتابوں کا مطالعہ فرمایا کرتے، اس زمانے کے تمام اخبارات اور اہم علمی رسائل وجرائد آپ کی خدمت میں پابندی سے آتے، اخبارات کے لئے اگر کوئی وقت نہ ملتا تو تناول طعام کے وقت بائیں جانب رکھ کر دونوں معمولات سے بیک وقت فارغ ہوتے، خانقاہ کے کتب خانے کی فنی ترتیب آپ کی نگرانی میں آپ کے فرزندان گرامی مولانا شاہ قمر الدین اور مولانا شاہ نظام الدین صاحب کی کوششوں کا نتیجہ ہے، ہر کتاب کے اوراق پر آپ کے کچھ نہ کچھ نوٹ ضرور ملتے ہیں۔

ادارہائے طبع وتصنیف کی سرپرستی

اسی خصوصی ذوق مطالعہ کی بنا پر ملک کے تمام اہم تصنیفی اداروں سے سرپرستی یا رکنیت کا تعلق تھا، دارالمصنفین اور دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن کی مطبوعات آپ کی خدمت میں برابر آتیں اور آپ انہیں پسند فرماتے، نئی کتابیں اس کثرت کے ساتھ آتیں کہ ان کی جلد سازی کے لیے ایک دفتری کے باقاعدہ تقرر کی ضرورت محسوس ہوئی۔

علمی کتابوں کے وسیع اور عمیق مطالعہ کے ساتھ ساتھ آپ کی بین الاقوامی معلومات کا دائرہ بھی وسیع تھا، دنیا کے تمام اہم واقعات پر نظر رکھتے۔

ذوق طاعت ومجاہدہ

کسب سلوک عبادت و ریاضت ومجاہدہ کا ذوق موروثی تھا، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ شرف الدین اپنی یادداشت میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”درعمر ہفت سالگی بحمداللہ ضروری مسائل وضو ونماز واقف گردید، نماز برخود لازم گرفت و بہر پنج وقت درجماعت شریک می شود“۔

جب آپ نے مشق سلوک شروع کی تو آپ کی حرارت ذکر وفکر سے خانقاہ کا ماحول منور ہوگیا، اس تاثیر کو ارباب ادراک

نے نمایاں طور پر محسوس کیا، حالانکہ اس وقت آپ کی عمر زیادہ نہ تھی۔

مولوی شاہ محمد یحیٰ نے ایک بار فرمایا کہ آج کل خانقاہ میں ایسی روحانی تاثیر محسوس کر رہا ہوں جیسی شیخ العالمین حضرت مولانا شاہ نعمت اللہ قادری کے زمانے میں تھی۔

اس طبعی رجحان اور تسلسل اذکار کی وجہ سے معارف و اسرار اور احوال ومقامات سے بہت جلد آشنا ہو گئے، آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جب اذکار کی مشق شروع کی تو پیر ومرشد نے حضرت رسول نما بنارسی قدس سرہ کے ملفوظات کا درس شروع کر دیا، اس کے فوائد بہت جلد شروع ہو گئے، مجھے حیرت ہوئی کہ اس قدر جلد فوائد کا پیدا ہونا ہماری حیثیت سے بالاتر ہے، جو کچھ بھی میں محسوس کر رہا ہوں وہ ہمارے پیر ومرشد کی قوت تصرف ہے، اس وقت میری عمر سترہ، اٹھارہ برس کی تھی اور ملفوظات کے مضامین تمام تر حالات وواردات پر مشتمل ہیں، جس کی تفہیم انہی لوگوں کو ہو سکتی تھی جن پر اذکار واشغال کی مشق کے بعد یہ سب حالات گزرتے یا گزر چکے ہوں، مگر اللہ رے ہمارے پیر ومرشد کی قوت تفہیم اور زور تصرف کہ مجھے ان مضامین کے سمجھنے میں کبھی الجھن نہ پیدا ہوئی، جیسے آئینہ کے اندر صورت نمایاں ہو جاتی ہے، اسی طرح اس کا مطلب ہم پر منکشف کر دیا جاتا تھا۔

سات برس کے مجاہدہ وریاضت کے بعد ۱۲۸۹ھ میں آپ کے عم محترم نے خرقہ پوشی کی، یہ محض رسم نہ تھی، بلکہ تمام مقامات سلوک طے کر کے آپ عرفان کی اعلیٰ منزلوں تک پہنچ چکے تھے، حضرت نصر قدس سرہ کا جملہ مسترشدین اور خلفا و نیز دیگر مشائخ ہند آپ کی عظمت کے معترف تھے ہی، چالیس برس کی عمر میں جب آپ نے سفر حج فرمایا تو شیوخ حرمین شریفین نے بھی آپ کے عرفانی مرتبہ کا اعتراف کیا، ان سے افاضہ اور استفاضہ کے تعلقات ہوئے، وہاں آپ جس ذوق وشوق اور لذت وکیف کے ساتھ مجاہدات میں مشغول ہوئے، احاطۂ بیان سے باہر ہے۔

نقش ہے سنگ آستاں پہ ترے ❁ داستاں اپنی جبہ سائی کی

روحانی رفعت اور باطنی فیوض وبرکات کے لحاظ سے یہ مقدس سفر آپ کی مبارک سیرت کا ممتاز ترین باب ہے، حج و زیارت کے علاوہ مشاہیر علما ومشائخ سے ملاقات ہوئی، شیخ عبد الرحمن ابو حضیر مدنی اور شیخ عبد اللہ سناری سے حدیث مسلسل بالاولیۃ کی اجازت حاصل کی اور طریقہ شاذلیہ احمد بدویہ کے اذکار واشغال کی اجازت ان طریقوں کے نامور مشائخ سے حاصل کی اور اپنے طریقہ قادریہ کی اجازت ان کو دی، شیخ الدلائل شیخ عبد الحق مہاجر قدس سرہ سے دلائل الخیرات، حزب البحر اور اولیات محمد سنبل کی سند حاصل کی، اس وقت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی حیات تھے، ان سے بھی ملاقات کی اور اجازت حاصل کی، اس اجازت نامہ میں حضرت حاجی صاحب نے آپ کے بارہ میں بڑے بلند الفاظ میں آپ کا ذکر کیا ہے، اجازت نامہ کی عبارت طویل ہے اس کے چند الفاظ ملاحظہ ہوں:

المقبول بین السماوات والارضین اللوذعی الالمعی بدر الدین متع اللہ بہ المسلمین ظهر

انوار الذکر علی ظاھرہ وسری اثرہ فی باطنہ بل تشرف بالفناء والبقاء۔۔۔(ماخوذ از اجازت نامہ حضرت عارف باللہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کتب خانہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ)

آسمان وزمین کے درمیان مقبول (جناب شاہ) بدرالدین، اللہ مسلمانوں کو ان سے مستفید کرے، ان مشائخ میں سے ہیں، جن کا ظاہر و باطن دونوں تجلیات ذکر الٰہی سے منور ہے، آپ فنا و بقا کے اعلیٰ ترین مقامات سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تلطف کا سلسلہ صرف اجازت ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ غایت تکریم کے ساتھ پیش آئے اور رخصت کے وقت بہت دور تک مشایعت کی اور جب تک آپ مقیم رہے حد درجہ قرب و اختصاص کے ساتھ پیش آتے رہے۔

دعاء حزب البحر کا فیضان آپ کی ذات سے اتنا عام ہوا کہ بے شمار حضرات نے اس کی اجازت آپ سے حاصل کی، آپ کے آستانہ پر نصاب و اعتکاف کے لیے طالبین کا ایک ہجوم رہتا تھا، اپنی وفات سے چند روز پہلے حضرت مولانا سید محمد فاخر صاحب (دائرہ شاہ اجمل، الہ آباد) کو ان کی طلب پر آپ نے اجازت مرحمت فرمائی، شاہ صاحب موصوف کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ”احقر کو حضرت عارف باللہ الحاج شاہ امداد اللہ قدس سرہ نے جس طرح اس دعاء حزب البحر کی اجازت دی ہے، میں نے آپ کو اور آپ کے دونوں فرزندان حافظ سید شاہد اور حافظ سید قدسی سلمہما اللہ تعالیٰ کو اجازت دی، اللہ تعالیٰ اس کے برکات سے متمتع فرمائے“۔

آپ کے سلاسل روحانی کی فہرست طویل ہے، ان چند سلاسل کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا جو آپ کو شیوخ حرمین سے پہنچے:

سلسلۂ قادریہ بہ واسطۂ شیوخ شاذلیہ، سلسلۂ چشتیہ صابریہ، سلسلۂ نقشبندیہ، سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ، سلسلۂ خضریہ، سلسلۂ رفاعیہ، سلسلۂ قشیریہ، سلسلۂ احمد بدویہ، سلسلۂ مدنیہ مغربیہ، سلسلۂ رتنیہ، سلسلۂ عیدروسیہ، سلسلۂ شاذلیہ، سلسلۂ قادریہ بہ واسطہ حضرت علامہ ابو عبداللہ محمد بن سلیمان جزولی مصنف دلائل الخیرات۔

معمولات شب و روز

ارشاد و تلقین، تصنیف و تالیف، عبادت و ریاضت، تدریس اور اشغال و اوراد کے اوقات مقرر تھے اور آپ اپنے تمام معمولات کے ہمیشہ پابند رہے، مشغولیت کے اس تسلسل میں استراحت کا وقت شب و روز میں شاید گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ نہ تھا۔

صبح کی نماز کے بعد سے اشراق تک آپ مشغول رہتے، اس کے بعد اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر مختصر ناشتہ کے بعد چائے نوش فرماتے، دس بجے آپ کی خلوت کا دروازہ کھول دیا جاتا اور طالبین و زائرین باریاب ہوتے، اپنی اپنی حاجتیں پیش کرتے اور کامیاب واپس جاتے، کبھی کبھی بعض حضرات سے علمی، عرفانی اور دیگر موضوعات پر بھی نہایت مفید اور پر مغز گفتگو ہوتی اور یہ سلسلہ دن کے بارہ بجے تک جاری رہتا، پھر دن کا کھانا تناول فرماتے اور کتابوں کا مطالعہ فرماتے، کبھی کبھی نیند آجاتی تو تھوڑی دیر قیلولہ فرمالیتے، ظہر کی اذان کے بعد ضروریات سے فارغ ہو کر جماعت کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے، سات برس

کی عمر سے اخیر ساعت تک نماز باجماعت کا اہتمام تھا،شاید ہی چند نمازیں تنہا پڑھی ہوں،نماز ظہر کے بعد اپنی خلوت میں تشریف لاتے اور اوراد معمولہ سے فرصت کے بعد ملک کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے خطوط کے جوابات اپنے دست مبارک سے تحریر فرماتے،عصر کی اذان کے بعد جماعت کے لئے مسجد تشریف لاتے،نماز کے بعد اکابر کے مزار پر فاتحہ کے لئے جاتے، واپسی میں مسجد کے سائبان میں ایک خاص اور معین مقام پر تشریف فرما ہوتے،نماز عصر کے بعد کے معمولات ادا فرمانے کے بعد لوگ اگر کچھ پوچھتے تو ان کو جواب سے سرفراز فرماتے،اس وقت کی مجلس بھی نہایت بابرکت اور پر از معلومات ہوتی، نماز مغرب کے بعد مسجد ہی میں عشا تک آپ مشغول رہتے،عشا کی نماز کے بعد خلوت میں تشریف لے جاتے،تھوڑی دیر کے لئے اس وقت بھی خلوت کھول دی جاتی،لوگ باریاب ہوتے،مختصر وقفہ کے بعد خلوت بند کردی جاتی،اس وقت سے آپ کتابوں کے مطالعہ،استفتوں کے جوابات اور زیر تصنیف کتابوں کے لکھنے میں بارہ بجے تک مصروف رہتے،پھر بہ مشکل ایک ڈیڑھ گھنٹہ استراحت فرما کر رات کے ڈیڑھ بجے سے تہجد اور اذکار واشغال میں صبح تک مصروف رہتے،اخبارات اور ماہنامے عموماً دن کا کھانا کھانے کے وقت ملاحظہ فرماتے۔

ایام علالت میں جب ضعف ونقاہت زیادہ ہوگئی تو بعض معمولات بالواسطہ ادا ہوئے،وفات سے چند روز پہلے نقل و حرکت سے بھی معذوری ہوئی تو اپنے خلف اصغر مولانا حافظ شہاب الدین صاحب کو حکم دیا کہ جمعہ کے معمولات قرآنی پڑھ کر سنائیں،چنانچہ انہوں نے سورۂ بقرہ رُکوع اول،سورۂ بقرہ رکوع آخر،آیۃ الکرسی،سورۂ حدید،سورۂ دخان،سورۂ یاسین،سورۂ واقعہ، سورۂ جمعہ،سورۂ منافقون،سورۂ کہف،سورۂ مزمل،سورۂ ملک،سورۂ نبا،سورۂ نازعات،سورۂ اعلی،سورۂ قدر،سورۂ والتین،سورۂ کوثر، سورۂ کافرون،سورۂ اخلاص اور معوذتین کی تلاوت کی۔

وفات سے دو دن پہلے جب غلبۂ نقاہت کی وجہ سے گفتگو محال تھی،اس حالت میں بھی نماز کا اہتمام تھا،حکیم شعیب صاحب کا بیان ہے:۴۵ منٹ تک جس وقت سے میں حاضر ہوا تھا پھر دیر تک معمولات پڑھتے رہے،اس کے بعد زانو بدلا اور لیٹنے کا ارادہ کر کے بیٹھ گئے مگر لیٹے نہیں،میں یہ سمجھ کر کہ شاید آپ لیٹنا چاہتے ہیں،قریب پہنچا،عرض کیا کہ لٹا دوں،بے حس وحرکت خموش بیٹھے رہے،مجھے کیفیت دیکھ کر بہت تردد ہوا،میں نے پھر باصرار پوچھا تو آپ کو اس قدر ضعف ہوگیا تھا کہ آپ بول نہیں سکتے تھے،بڑی مشکل سے نہایت دھیمی آواز میں فرمایا:ہاں لٹادو۔

درس قرآن اور درس ملفوظات کی مصروفیت بھی وفات سے چند ماہ پہلے تک پورے انہماک کے ساتھ جاری رہی۔ ۱۳۴۲ھ کے رمضان شریف کی آمد پر آپ کے فرزند گرامی مولانا شاہ قمر الدین قادری نے درخواست کی کہ گزشتہ برسوں کے رمضان شریف میں ملفوظات مولانا کا درس ہوا کرتا تھا،تمنا ہے کہ ہم لوگوں کو فہرست اذکار مرتبہ حضرت نصر قدس سرہ پڑھا دی جائے، وقت مرحمت فرمایا گیا اور یکم رمضان سے باقاعدہ تدریس شروع ہوئی۔

شاعری

ان مختلف ومتنوع مصروفیات کے باوجود آپ سخن سنج بھی تھے، باطنی محسوسات اور واردات وکیفیات کے وسیلۂ اظہار کی حیثیت سے شاعری کو صوفیہ ومشائخ کے بزم میں جگہ ملتی رہی ہے، اس کی رمزی وایمائی خصوصیت نے احوال ومقامات کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ فکر ونظر کی تربیت وتطہیر بھی کی ہے، اس لیے خانقاہوں کا ماحول طاعت ومجاہدہ اور فکر ومراقبہ کی وجہ سے جہاں عارفانہ ہوتا ہے، وہاں تجلیات حسن وحقیقت کے ادراک کی وجہ سے شاعرانہ بھی ہوتا ہے۔

خانقاہ مجیبی کی بھی صدیوں سے یہ روایت رہی ہے کہ اس کے اکثر سجادہ نشین علم وعرفان کے تبحر کے ساتھ ساتھ ارباب سخن بھی رہے ہیں، حضرت تاج العارفین کے پوتے حضرت فرد الاولیاء فرد فارسی شاعری کے مسلم الثبوت استاد تھے، آپ کے کلام کی دو جلدیں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں، خسروؔ اور حافظؔ کی خصوصیات سخن کا امتزاجی نمونہ جس طرح حضرت فرد کی شاعری میں ملتا ہے، ہندوستان کے کسی فارسی شاعر کے کلام میں نہیں ملتا۔

حضرت فردؔ کے علاوہ متعدد صاحب دیوان شعرا ایسے گزرے ہیں جن کی عظمت کا اعتراف زمانہ نے کیا ہے، حضرت مولانا شاہ بدر الدین قادری کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ شرف الدین خود صاحب دیوان شاعر تھے اور آپ کے پیر ومرشد شیخ الاسلام حضرت مولانا شاہ علی حبیب نصر بھی فارسی کے ایک بلند پایہ شاعر تھے، اس لیے مولانا کو دوسری خصوصیات کی طرح شاعری کا ذوق بھی وراثۃً ملا تھا، علامہ سید سلیمان ندوی اپنے مذاق سخن کی تربیت کے سلسلہ میں خانقاہ مجیبی کے شاعرانہ ماحول کا اس طرح ذکر فرماتے ہیں:

> ''یہاں خانقاہ میں ہر ہفتہ قوالی ہوتی تھی، اس کے اثر سے اس خطہ میں شعر وشاعری کا خاصا چرچہ تھا، اسی فضا میں میں نے سانس لی''۔۔۔(حیات سلیمان، ص:۸)

مشاغل کی کثرت کی وجہ سے آپ کو اس جانب توجہ کا موقع نہ ملتا، لیکن کبھی کبھی باطنی تحریک کی بنا پر جو کچھ آپ ارشاد فرماتے تھے، وہ ایک مختصر مجموعۂ کلام کی صورت میں ہمارے سامنے ہے، اپنے والد کے خالہ زاد بھائی مولانا شاہ وصی احمد مجیبی کو اپنا کلام دکھاتے تھے، علم عروض اور دوسرے نکات فن کی باقاعدہ تحصیل انہیں سے کی، آپ فارسی، عربی اور اردو تینوں زبانوں میں اشعار کہتے تھے، اردو کے اشعار تو دو ہی چار محفوظ رہ گئے ہیں، عربی کی بھی صرف ایک مناجات جو آپ نے راجگیر پہاڑ پر کہی تھی محفوظ رہ گئی ہے، بقیہ سارا کلام فارسی میں ہے، جس میں کچھ نعتیں، چند قطعات تاریخ، بعض قصائد منقبت اور کچھ غزلیں ہیں۔

گویا آپ کا کلام زیادہ نہیں ہے لیکن جو کچھ ہے وہ سراپا انتخاب ہے، نعتوں میں احوال ومقامات کی طرف اشارات اور غزلوں میں فارسی شاعری کی دلکش خصوصیات موجود ہیں، عشق حقیقی کا سوز وگداز، حسن کی رنگارنگ تجلیاں، ذوق شوق کی وارفتگی، نگاہ ودل

کی سرشاری، جذب وکیف کی بے ساختگی اور برجستگی ہر ہر شعر سے نمایاں ہے، اظہار جذبات میں صداقت کی جلوہ گری نے کلام کو بہت پر اثر بنا دیا ہے، لب ولہجہ کی پرکارانہ سادگی اور مترنم الفاظ کی وجہ سے آپ کی غزلوں میں ایک خاص موسیقیت پیدا ہوگئی ہے۔

غزلوں کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جاں را کمند زلف بہ سوئے تو می کشد ❁ ویں استخوان ما سگ کوئے تو می کشد

امروز بیقراریٔ دل شد فزوں چناں ❁ شوق تو بار بار بہ سوئے تو می کشد

از بوئے گل نہ تازہ شود ایں مشام جاں ❁ لیکن بہ باغ نفحۂ بوئے تو می کشد

❖

بہ سودائے زلفِ تو سر می فروشم ❁ دل وجاں بہ تیر نظری فروشم

چوں بے پردہ روزے تجلی نماید ❁ بہ نور تجلی نظر می فروشم

❖

دردن ہر بن مویم شود برتن اگر چشمے ❁ نیاسایم ز دیدارت اگر بینم بہ ہر چشمے

بہ دیدار تجلی ہائے بوقلمون تو دارم ❁ بہ ہر صبح دگر چشمے بہ ہر شامے دگر چشمے

نہ گنجد شادمانی ہائے عالم دردلش لمحہ ❁ کسے کز بہر تو دارد دلِ پردرد وتر چشمے

بہ عالم ہر کہ باشد ہر چہ باشد جلوہ ہائے تست ❁ توئی ناظر زہر دیدہ توئی درپیش ہر چشمے

❖

آں جفا پیشہ کہ نقد دل وایماں زد وبرد ❁ غارتے بر سرایں بے سروساماں زد وبرد

نفسے چند کہ می داشت تن زارم بدرؔ ❁ نشترے بر رگ جانم سرمژگاں زد وبرد

❖

کیم من بے نصیبے بے نوائے ❁ غریب آوارۂ مسکیں گدائے

خدایا ہیچ گہ چشمے ندیدہ ❁ چو من کس خود پسند خود ستائے

فتادہ در رہت چوں من نباشد ❁ کسے عاجز ترے بیدست وپائے

نہ با من کاروانے نے دلیلے ❁ نہ گاہے از حدی خوانے صدائے

وجودم ننگ دین وعار مذہب ❁ سزا وار ملامت پر خطائے

کشود عقدۂ دشوار من نیست ❁ مگر ز الطاف تو مشکلکشائے

بہ چشمم در دو عالم کے نماید ❁ بجز کو یت مکانے دلکشائے
ہزاراں بہتر از من عاشقانت ❁ ولے چوں تو نباشد دلربائے
چو من در بندگانت بے شمارند ❁ ولے نہ بود مرا جز تو خدائے
سگان کوئے تو اے کاش سازند ❁ دلم را بہر خود مہماں سرائے
خدایا جرمہائے من عظیم اند ❁ کہ دشوار است زاں محو خطائے
بہ نعلین حبیب خود بہ بخشائے ❁ بہ بدّر خستہ و مسکیں گدائے

❖

بہ یاد چشم تو نرگس بہ باغ حیران ست ❁ فدائے پیچ و خم زلف سنبلتان ست
چوں نیست آں گل خوبی بہ من دریں گل گشت ❁ بہ چشم من ہمگی خار ایں گلسان ست
فدائے چہرۂ تابان تست بدر حزیں ❁ فدائے کاکل تو ہندو و مسلمان ست

آپ کی نعتوں میں بھی یہی وارفتگی شوق، گہری معنویت اور احتیاط ہوش ونظر کے ساتھ نمایاں ہے

زعمرے بس ہمیں دارم تمنا ❁ کہ پیشت جاں سپارم یا محمد ﷺ
بہ جز گردیدن گرد سرایت ❁ چہ خیزد از غبارم یا محمد ﷺ
شفیقے مہربانے غمزدائے ❁ کسے جز تو ندارم یا محمد ﷺ
زعکس مہر رویت بدر گردم ❁ ہمیں امید وارم یا محمد ﷺ

❖

درسر من سودائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ❁ در دل و دیدہ جائے محمد ﷺ
بخت رسا کو تا کہ فدا سازد بہ قدومش بار خدایا ❁ جان و تنم بر پائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

❖

نہ تنہا من تمنائے تو دارم ❁ خدا وصل تو خواہان است امشب
بیا بنگر نشار مقدمت را ❁ دو چشمم گوہر افشان است امشب

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی شان میں یہ منقبت ملاحظہ ہو:

محمد شد چو جسم و جانِ صدیق ❁ چہ می جوئی حد و پایانِ صدیق
نہ بینی جز محمد ہیچ در وے ❁ محمد ظاہر و پنہانِ صدیق

ز احسانش بہ عالم کیست خالی ❁ محمد داشت چوں احسان صدیق

اپنے پیرو مرشد حضرت نصر قدس سرہ کی وفات پر آپ نے جو قطعہ تاریخ فرمایا، اس کے چند اشعار یہ ہیں:

چو ایں کمتر و کہترین مریداں ❁ بہ ادراک حالش ز دل یافت ایما

بجستم بہ ہر چرخ و ہم عرش و کرسی ❁ بہ عدن و جناں ہم بہ فردوس اعلی

بہ خلد بریں یافتم با محمد ﷺ ❁ بہ دیدار حق فاز فوزا عظیما

۱۲۹۵ھ

علالت

مسلسل اور گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے آرام کے لمحات بہت کم میسر آئے تھے، ہر چند کہ آپ جسمانی طور پر تومند نہ تھے لیکن عرصہ تک صحت خراب نہیں ہوئی، مگر ۱۳۱۷ھ کے بعد جب عمر پچاس سے متجاوز ہونے لگی تو صحت میں گاہے گاہے اختلال رونما ہونے لگا، مگر آپ مجاہدانہ عزیمت کی بنا پر جاں گسل اور زہرہ گداز مصائب و شدائد کا تحمل اس استقامت کے ساتھ کرتے کہ معمولات میں ادنی تغیر بھی نہ ہوتا، ضبط و تحمل کا یہ حال تھا کہ کبھی اپنی زبان سے جسمانی تکالیف کا اظہار نہ فرماتے۔

ایک مرتبہ رات کے پچھلے حصے میں آپ کے سینہ میں درد شروع ہوا اور آہستہ آہستہ بڑھتا رہا، مگر آپ نے کسی پر ظاہر نہ فرمایا، صبح کی اذان کے بعد نماز باجماعت کے لیے مسجد تشریف لے گئے، واپس آ کر معمولات اور وظائف میں مشغول ہو گئے، تکلیف کی شدت سے چہرہ کا رنگ متغیر ہونے لگا، اسی اثنا میں مولوی عبد الغفور صاحب عیسی پوری نے خیریت پوچھی تو ارشاد ہوا کہ سینہ میں کچھ درد ہے، مولوی صاحب نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ درد شدید ہے، چہرۂ مبارک کو کئی رنگ بدلتے دیکھا ہے، فرمایا: ہاں درد بہت ہے، سانس لینا دشوار ہے۔

۱۳۲۵ھ میں جناب شاہ محمد حیات صاحب سجادہ نشین حضرت مخدوم الملک بہاری خانقاہ میں مہمان ہوئے، مشائخ کرام کے یہاں یہ دستور چلا آتا ہے کہ کسی صاحب مکرمت کی آمد پر بہ طور اعزاز و مدارات مجلس سماع منعقد ہوتی ہے، حضرت کے ایما پر اس مجلس کا اہتمام ہوا لیکن آپ کو شدید تپ تھی، رات کے نو بج گئے تھے اور آپ شدید تپ کی وجہ سے غشی کی حالت میں تھے لیکن اس کے باوجود تیمم فرمایا اور مسجد تشریف لائے، جماعت کے بعد اخلاقاً مجلس میں تشریف فرما ہوئے، قبی خاں قوال یہ شعر گا رہے تھے:

خوش آنکہ بندم در رہت برناقۂ محمل از وطن
خیزم چوں گردافتم چوں اشک آیم بہ سر غلطم بہ تن

تو حضرت نصر رحمۃ اللہ علیہ کے مسترشدین میں ایک صاحب حالت وجد میں مسجد سے باہر آ گئے، سب لوگ کھڑے ہو گئے،

حضرت بھی اپنی معذوریوں کے باوجود کھڑے ہو گئے، جب قبی خاں اس شعر پر پہنچے:

دارم امید مغفرت از دولت نعت شما

با ایں گنہ با ایں عمل با ایں خطا، اے ذوالمنن!

تو آپ بائیں طرف جھکے، خدام نے آگے بڑھ کر آپ کے دونوں شانوں کو پکڑ لیا، آپ کا نصف جسم مبارک ان کے سینے پر آ گیا اور غشی کی کیفیت طاری ہو گئی، پھر دو آدمیوں کے سہارے ہوش آنے کے بعد آپ خلوت میں تشریف لے گئے، ساری رات مزاج متاثر رہا مگر معمولات میں کوئی فرق نہ آیا، اس طرح وقتاً فوقتاً امراض ہوتے رہے، لیکن پھر طبیعت ٹھیک ہو جاتی اور مزاج میں بہ دستور بشاشت اور تازگی آ جاتی، عموماً صحت کے بعد لوگوں کو علم ہوتا کہ طبیعت متاثر ہو گئی یا اس درجہ اضمحلال تھا۔

وفات سے کچھ پہلے نزلہ و تبخیر کی شکایت اکثر رہنے لگی تھی، آپ اسپرٹ کی وجہ سے ہومیوپیتھک اور ایلوپیتھک علاج سے احتراز کرتے تھے، اس لیے بایوکیمک دوائیں تیار رکھی جاتیں۔

۴ر صفر ۱۳۴۳ھ کو کچھ تبخیری کیفیت شروع ہوئی، ۵ر کو مصروفیت کچھ زیادہ رہی، حزب البحر کے لیے بہ نیت اعتکاف ۲۹ر افراد مسجد خانقاہ میں حاضر ہوئے، شام تک آپ سب سے پڑھوا کر سنتے رہے اور اجازت عطا فرماتے رہے، نماز عصر کے بعد بخار بہت بڑھ گیا، مغرب کے بعد جب مسجد سے باہر تشریف لے جانے لگے تو قدم اٹھانا دشوار تھا، مزاج کی ناسازی تحمل سے باہر ہو گئی، مگر اصرار کے باوجود آپ نے بایوکیمک کے سوا کسی اور دوا کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور انتہائی ضعف کے باوجود سارے معمولات ادا فرماتے رہے، ۹ر صفر کو ڈاکٹر ایس پرشاد جب خلوت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا کہ حضور کو ملیریا ہے، لیکن دشواری یہ تھی کہ ان کی مجوزہ دوا ہومیوپیتھک تھی، اس لیے اس اثنا میں یا تو بایوکیمک دوا استعمال فرمائی یا پھر خیساندہ، بخار اور بخار کے ساتھ ضعف بڑھتا گیا، اسی درمیان میں کچھ استغراقی کیفیت بھی پیدا ہوئی، پھر صفر کی گیارہ تاریخ آ گئی، اس دن زیارت موئے مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خانقاہ میں اجتماع عظیم ہوتا ہے، صاحب سجادہ آثار شریف کی زیارت کراتے ہیں، مگر یہ پہلا اتفاق تھا کہ آپ اپنی سخت علالت کی وجہ سے تشریف نہ لے جا سکے، آپ کے ایما پر نیابتاً زیارت اور آثار نمائی کے فرائض آپ کے خلف اکبر حضرت مولانا شاہ محی الدین قادریؒ نے انجام دئے، گیارہ کے بعد بخار اور دست و پا کی سوزش اور بڑھ گئی، ۱۲ر صفر کو بخار نہ تھا، خیریت پوچھنے پر فرمایا کہ الحمد للہ طبیعت اچھی ہے، مسواک اہتمام کے ساتھ فرمائی، مولانا شاہ قمر الدین قادریؒ کو طلب فرمایا اور معارف کے تازہ شمارہ کے شذرات پڑھوا کر سنے، پھر جامع صغیر نکلوا کر حاشیہ پر ایک حدیث کے اندراج کا حکم صادر فرمایا، تھوڑی دیر کے بعد کچھ سر گرانی شروع ہوئی، پھر بخار آیا، ضعف بڑھ گیا اور نبض غیر منتظم ہو گئی، ۱۳ر صفر کو مولانا شاہ سلیمان پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات کے مشورے سے پٹنہ سے کچھ اور ڈاکٹر بلوائے گئے، یہ وہ دن تھا جب کہ آپ نے

دوااور پانی بھی قبول کرنے سے انکارفرمادیا تھا،ڈاکٹر صاحبان نے انجکشن دیا،بخارتو کم ہوامگر استغراقی کیفیت بڑھتی گئی اور غایت ضعف کی وجہ سے قوت نے بھی اپنا کام کرنا چھوڑ دیا،۱۴ رصفر کو بخار جاتا رہا،ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب نے اطمینان ظاہر کیا،مولانا شاہ سلیمان صاحب اور دیگر حاضرین سے کچھ آپ نے گفتگو بھی فرمائی،تھوڑی دیر کے بعد پھر وہی استغراقی کیفیت ہو گئی،اگر کسی کی آواز سنتے تو آنکھیں کھول دیتے،دریافت مزاج پر ارشاد فرماتے:الحمدللہ! پندرہویں شب کو تمام اعزہ اور خدام حاضر خدمت رہے اور ختم دلائل الخیرات،باقیات الصالحات وغیرہ کرتے رہے،لیکن اب خود سے آپ کروٹ بدلنے سے بھی معذور ہو گئے تھے،۱۵ رصفر کو اکثر خدام کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ استغراق نہیں بلکہ سفر آخرت ہے،سورہَ یاسین کی تلاوت شروع کی گئی اور درود شریف،نیز دیگر اوراد شروع کر دیئے گئے،خلوت کھول دی گئی،تمام مشتاقان زیارت نے شرف دیدار حاصل کیا اور آپ کے خلف اکبر حضرت مولانا شاہ محی الدین قادری نے خواہش مندوں کی بیعت نیابۃً لی۔

وفات

انجکشن دیا گیا تھا مگر تمام حاضرین اور معالجین اب مایوس ہو چکے تھے،آخر وقت موعود آپہنچا اور صفر کی سولہویں شب کو سوا سات بجے وفات پائی،دن کو ساڑھے دس بجے نماز جنازہ ہوئی اور آپ کے خلف اکبر مولانا شاہ محی الدین قادریؒ نے پڑھائی،حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہ کے مزار سے متصل مدفون ہوئے،آپ کی وفات پر سارے ملک میں رنج وملال کا اظہار کیا گیا اور اخبارات ورسائل نے تعزیتی مضامین لکھے،ذیل میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کے تاثرات درج کیئے جارہے ہیں،ربیع الاول ۱۳۴۳ھ کے معارف میں لکھتے ہیں:

ابھی گزشتہ مہینہ کے معارف میں ہم نے حضرت امیر شریعت صوبہ بہار اور امارت شرعیہ صوبہ بہار کا تذکرہ کیا تھا،خیال میں بھی نہ تھا کہ اس کے ایک ہی مہینے کے بعد ہم کو حضرت ممدوح کی دائمی مفارقت کا ماتم کرنا پڑے گا،حضرت مولانا شاہ بدرالدین سجادہ نشیں پھلواری اس عہد کے جنیدؒ وشبلیؒ تھے،ان کا زہدوورع،نزاہت واتقاء،علم وعمل،صورت وسیرت،ہر چیز نمونہ سلف تھی،کم وبیش چالیس برس تک یہ علم وعرفان کی شمع صوبہ بہار میں روشن رہی اور اس کی روشنی دور دور تک پھیلتی رہی،ان کے شب وروز کے چوبیس گھنٹے ذکر وفکر اور مطالعہ کتب کے سوا اور مشاغل میں کمتر صرف ہوتے تھے،ان کی نشست گاہ ایک کتب خانہ تھی،ان کے چاروں طرف کتابوں کا انبار لگا رہتا تھا اور ان کے بیچ میں یہ زندہ کتب خانہ جلوہ فرما رہتا تھا،اس عہد میں یہی ایک ہستی تھی جو ظاہر وباطن،علم ومعرفت،حقیقت وشریعت کا مجمع البحرین تھی اور جس سے ہزاروں اور لاکھوں علم ومعرفت کے پیاسے سیراب ہوتے رہتے تھے،پھلواری کا سجادہ اس بزرگ ذات کی رونق افروزی سے چشمۂ خورشید تھا،افسوس کہ یہ آفتاب اب ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔

اولاد

آپ کے چار صاجزادے تھے، جن میں حضرت مولانا شاہ محی الدین قادری اور حضرت مولانا شاہ قمر الدین قادری وفات پا چکے ہیں، اور حضرت مولانا شاہ نظام الدین قادری اور حضرت مولانا شاہ شہاب الدین قادری اس وقت موجود ہیں، آپ کی وفات کے بعد بڑے صاجزادہ حضرت مولانا شاہ محی الدین قادری خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشیں ہوئے اور ان کی وفات کے بعد اب ان کے صاجزادہ حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری ان کے جانشین ہیں ـــ (۱)

خلفا ومجازین

آپ کے خلفاء ومجازین کی فہرست طویل ہے چند بزرگوں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

رأس المتقین حضرت مولانا شاہ محمد محی الدین قادری قدس سرہ خلف وخلیفہ وجانشین، حضرت مولانا شاہ محمد قمر الدین قادری قدس سرہ مجاز جملہ سلاسل و مرویات، حضرت مولانا شاہ محمد نظام الدین قادری مجاز جملہ سلاسل و مرویات، حضرت مولانا شاہ حافظ محمد شہاب الدین قادری مجاز جملہ سلاسل و مرویات، مولانا حکیم سید محمد شعیب نیر پھلواروی مجاز جملہ سلاسل و مرویات، مولانا حکیم سید شاہ زہیر حسن صاحب ہلسوی مجاز جملہ سلاسل، خواجہ حسن نظامی مجاز جملہ سلاسل، علامہ شیخ ابوحضیر مدنی (مدینہ طیبہ) مجاز طریقۂ قادریہ وارثیہ وذکر قدوسیہ، مولانا سید شاہ عبداللہ قادری مجاز جملہ سلاسل، سری نگر، کشمیر، مولانا حکیم ابو الحسن صاحب دیسنوی والد ماجد علامہ سید سلیمان ندوی مجاز جملہ سلاسل۔

تصنیفات وتالیفات

بیان المعانی تفسیر اردو نا تمام غیر مطبوعہ، الوسیلہ، رویت ہلال، مطبوعہ نایاب، تذکرہ انساب خاندان امیر عطاء اللہ قلمی، رد اعتراض عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب، غیر مطبوعہ، مجموعۂ کلام فارسی مطبوعہ، ان کے علاوہ آپ کے وہ بیش بہا مکاتیب ہیں جو لمعات بدریہ کے نام سے چار حصوں میں شائع ہوئے اور ابھی اسی قدر قلمی شکل میں موجود ہیں۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

---

(۱) حضرت مولانا شاہ نظام الدین قادریؒ کی وفات ۱۹۸۲ء میں ہوئی، حضرت مولانا شاہ شہاب الدین قادریؒ کی وفات ۱۹۸۴ء میں ہوئی، حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادریؒ کی وفات ۱۹۸۵ء میں ہوئی، ان کے صاجزادے اور جانشین حضرت مولانا شاہ محمد رضوان اللہ قادریؒ کی وفات ۲۰۰۳ء میں ہوئی، اس وقت خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ ہیں۔

مُردوں کے انتفاع کا قرآنی قانون

● حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

قرآن ہی سے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ لمن فی الارض یعنی زمین کے باشندوں کے لئے آسمانوں میں رہنے والے ملائکہ استغفار کرتے ہیں اور جو ایمان والے ہیں ان کے لئے تو مغفرت اور آمرزش کی درخواست بارگاہ الٰہی میں ملائکہ مقربین کا وہ طبقہ پیش کرتا رہتا ہے جو عرش ربانی کو اپنے دوش پر اٹھائے ہوئے ہے وہ بھی اور کروبیوں کے اسی طبقہ کے وہ فرشتے بھی جو عرش رحمن کے چاروں طرف پائے جاتے ہیں، آخر سورۂ شوریٰ کی آیت

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ـــ(الشوریٰ:۵)

اور ملائکہ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اپنے رب کی حمد کی اور مغفرت چاہتے ہیں ان کی جو زمین میں ہیں۔

قرآن کی تلاوت کرنے والوں میں کس کی نظر سے نہیں گزرتی ہے۔

اسی طرح سورۂ مومن میں جو یہ ارشاد ہے کہ

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ـــ(الغافر:۷)

جو اٹھائے ہوئے ہیں عرش کو اور عرش کے ارد گرد جو فرشتے ہیں، وہ برابر تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اپنے رب کی اور ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور مغفرت چاہتے ہیں ان لوگوں کی جو ایمان والے ہیں۔

کیا ان آیتوں کا صریح مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کے عمل اور فعل سے فائدہ پہنچنے کا قانون قرآنی قانون ہے۔ اور ملائکہ ہی کیا؟ قرآن ہی میں یہ بھی تو ہے کہ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے اگر رسول کے پاس آئیں اور آ کر خدا سے خود بھی مغفرت کے طالب ہوں اور رسول (علیہ السلام) بھی ان کے لئے مغفرت کے خواہاں ہوں

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ ـــ(النساء)

تو پائیں گے وہ اللہ کو بہت بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بہت زیادہ مہربان۔

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ قرآنی دعاؤں میں جب ایک دعا یہ بھی ہے یعنی

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ—(الحشر :۱۰)

کہتے ہیں کہ اے مالک ہمارے! بخش دیجئے آپ ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو بھی جنہوں نے ایمان لانے میں سبقت کی۔

تو کیا اس کا یہ کھلا ہوا اقتضا نہیں ہے کہ ایک مومن کا عمل دوسرے مومن کے لئے بھی مفید ہوسکتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ جہاں یہ قرآنی قانون ہے اسی کے ساتھ تو قرآن میں ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ پیغمبر کو خطاب کر کے یہ فرمایا گیا ہے کہ

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ—(المنافقين:۶)

ان کے لیے برابر ہے خواہ تم ان کی مغفرت چاہو یا نہ چاہو، اللہ تعالی ہرگز ان کی مغفرت نہیں فرمائے گا۔

بلکہ سورۂ توبہ میں تو انہی لوگوں کا ذکر کر کے جن کے لئے مذکورۂ بالا آیت میں پیغمبر کے اس عمل کے متعلق قطعاً غیر مفید ہونے کا اعلان کیا گیا ہے، یہاں تک شدت برتی گئی ہے کہ

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ— (التوبة:۸۰)

مغفرت تم چاہو یا نہ چاہو اور اگر تم ستر ستر دفعہ بھی مغفرت چاہو گے تب بھی ہرگز ہرگز اللہ تعالی ان کو نہ بخشے گا۔

کون نہیں جانتا کہ پیغمبر کے عمل استغفار کے عدم افادہ کا تعلق انہی لوگوں سے ہے جو ایمان سے محروم تھے، خود ہی سورۂ توبہ کی مذکورۂ بالا آیت کے بعد عدم افادہ کی وجہ قرآن ہی میں بایں الفاظ بیان کر دی ہے یعنی

اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ—(التوبة:۸۴)

یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے کفر کیا اللہ کا اور اس کے رسولوں کا۔

اور اس سے بھی زیادہ واضح اور صاف الفاظ میں اسی سورہ میں ایک عام قانون کی حیثیت سے اعلان کر دیا گیا ہے کہ

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾— (التوبة)

نبی ہی کے لیے یہ درست ہے اور نہ ایمان والوں کے لئے کہ وہ مغفرت چاہیں شرک کرنے والوں کی، خواہ وہ قریب کی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں (یعنی) اس بات کے بعد جب یہ کھل چکا کہ مشرکین جہنم والوں میں ہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ آدمی میں اپنے اعزہ اور اقرباء کے گناہ بخشوانے اور ثواب پہنچانے کی جو عام خواہش ہوتی ہے، شرک کی حالت میں اس خواہش کی تکمیل سے لوگوں کو قرآن نے مایوس کر دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے اولو العزم پیغمبر تک نے مشرک باپ کے لیے استغفار کا جو عمل کیا تھا تو قرآن کو اس کی توجیہ میں یہ کہنا پڑا کہ صرف وعدہ کا وہ ایفا تھا جس کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ آذر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس فعل سے نفع نہ پہنچے گا۔

خیر اس قصہ کی تفصیلات کو تو اپنی جگہ پر پڑھنا چاہیے۔اس موقع پر یہ کہنا ہے کہ غیر کے عمل سے استفادہ جب اس پر مبنی ہو کہ جسے فائدہ پہنچانے کا ارادہ کیا جائے وہ بجائے خود بھی ایمان اور توحید کی دولت سے سرفراز ہو، ورنہ کفر وشرک کی دولت میں غیر کا عمل خواہ وہ پیغمبر ہی کا عمل کیوں نہ ہو مفید نہیں ہوسکتا تو اس کا حاصل اس کے سوا اور کیا ہوا کہ درحقیقت ہر شخص کو جو کچھ بھی فائدہ پہنچتا ہے اولاً اپنی ایمانی جدوجہد اور توحیدی اعتقاد ہی کی بنیاد پر پہنچتا ہے، ایسی صورت میں قرآن کی مشہور آیت

وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیۙ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعۡیَہٗ سَوۡفَ یُرٰی﴿۴۰﴾ ــ(النجم)

نہیں ہے آدمی کے لیے لیکن وہی جو اس نے سعی کی ہو اور اسے اپنی سعی ہی قریب ہے کہ دکھائی جائے گی۔

سے جو اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ قرآن کی رو سے غیر کے عمل سے کسی کو کسی قسم کا کسی حیثیت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کس قدر عجیب ہے؟ مجھے حیرت ہے کہ قرآن کی اس آیت پر تو ان کی نظر فوراً پڑتی ہے لیکن ملائکہ و رسول بلکہ ایک مومن کے عمل سے دوسرے مومن کو فائدہ پہنچنے کا جن قرآنی آیتوں میں تذکرہ کیا گیا ہے، ان سے چشم پوشی کیوں کی جاتی ہے؟ شاید انہیں قرآن کے دو مختلف قانون میں تضاد یا تناقض نظر آتا ہے؟ اس لیے اپنی غرض کے مطابق جو آیت ہاتھ آئی، اسے پیش کر دیتے ہیں اور جن آیتوں سے ان کے مقصد پر زد پڑتی ہے، ان سے گویا انجان بن جاتے ہیں۔حالانکہ میں نے جیسا کہ عرض کیا، یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح ہے، آخر جب غیر کے عمل سے اس کا استفادہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کفر کو ترک کر کے ایمان کی دولت اور شرک کو چھوڑ کر توحید کی روشنی نہ حاصل کی جائے تو یہ کہنا بھی قطعاً صحیح ہے کہ جسے جو کچھ بھی فائدہ پہنچا اپنی سعی اور اپنی کوشش سے پہنچا۔اگر کرنے والے کی طرف سے ایمان وتوحید کی سعی نہ ہوتی تو دوسروں کے کیا خود اپنے عمل کے منافع سے بھی آدمی کب مستفید ہوسکتا ہے۔

هَلۡ تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴿۹۰﴾ ــ(النمل)

بدلہ دیے جاؤ گے مگر اس کا جو تم نے عمل کیا ہے۔

یا

كُلُّ امۡرِیًٴۢ بِمَا كَسَبَ رَهِیۡنٌ﴿۲۱﴾ ــ(الطور)

ہر شخص اپنے کیے کے ہاتھوں گروی ہے۔

میں ان سب کا یہی مطلب سمجھتا ہوں کہ عمل ہو یا خود اپنے اعمال سے استفادہ ہو، سب خود اپنی ایمانی اور توحیدی کوششوں پر ہی مبنی ہے بس جسے جو کچھ بھی فائدہ پہنچتا ہے درحقیقت اپنی سعی اور اپنے عمل ہی کا فائدہ پہنچتا ہے۔منافقین اور کفار دوسروں کے عمل سے کیا؟ وہ تو خود اپنے اعمال کے فوائد سے بھی اگر محروم رہ جائیں گے تو اسی وجہ سے رہ جائیں گے کہ خدا

کارسول ان کے پاس آیا، خدا کی کتاب آئی لیکن انہوں نے نہ خدا کے رسول کو پہچاننے کی کوشش کی اور نہ خدا کی کتاب کو سمجھنے کی سعی کی، اس لیے کفروشرک کی حالت میں مرگئے۔اور یوں اپنے کئے ہوئے اعمال یا دوسرے ان کے لئے اگر کچھ کریں دونوں کے استفادہ کا دروازہ انہوں نے اپنے اوپر خود بند کرلیا۔

کیسی عجیب بات ہے مشہور ومتواتر حدیث ہے:

انما الاعمال بالنیات ولکل امرء ما نوی۔۔۔(بخاری)

اعمال کی قیمت نیت کے ساتھ وابستہ ہے اور ہر ایک شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔

اس میں بھی تو یہی بتایا گیا تھا کہ اپنے اعمال سے بھی فائدہ اسی وقت پہنچ سکتا ہے جب صحیح نیت سے اس کا تعلق ہو بلکہ قرآنی آیت

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیۡعَ اِیۡمَانَکُمۡ۔۔۔(البقرہ:۱۴۳)

قطعاً اللہ تعالی تمہارے ایمان کو ضائع نہ کریں گے۔

کی جو تفسیر حدیثوں میں بیان کی گئی ہے کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے والوں کے متعلق بعضوں کو شبہ ہوا کہ ان نمازوں کا انجام کیا ہوگا تو فرمایا کہ اصل چیز ایمان ہے، عمل میں قیمت ایمان ہی سے پیدا ہوتی ہے، پس جب عمل کی قیمت بھی ایمان کے ساتھ وابستہ ہے تو ظاہر ہے کہ دوسروں کے عمل سے استفادہ ایمان وتوحید پر کیوں نہ موقوف ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دوسروں کے عمل سے فائدہ نہ پہنچنے کا آج جو ڈھنڈورا پیٹا جارہا ہے اگرچہ حقیقی محرک تو طبل نوازی کے اس قصہ میں عصر حاضر کی مادی تنگ ذہنیت ہے یعنی انسانی زندگی کو آخرت سے مایوس بنادینے کے بعد مذہب کو جن لوگوں نے بے قیمت قرار دے رکھا ہے، ایسوں کے لیے جن کی زندگی کے حدود شکم مادر سے لے کر شکم قبر تک ختم ہوجاتے ہیں اس کے سوا اور سوچا ہی کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال انہی لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو سمجھتے ہیں کہ مذہب کے عملی نظام سے دنیا میں امن و امان کا فائدہ بھی اٹھایا جاسکتا ہے، اس لیے عمل کی حد تک فیاضی سے کام لے کر کہتے ہیں کہ مذہب کو اگر زندہ رکھا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں، البتہ ایمان کی یہاں کوئی قیمت نہیں ہے، آدمی خدا کو ایک مانتا ہو یا دس معبودوں کا قائل ہو، بلکہ سرے سے خدا کا منکر ہی کیوں نہ ہو لیکن، اگر عمل اور سیرت میں اچھا ہے عام گفتگو میں گڈ کیرکٹر سے جس کی تعبیر آج کل کرتے ہیں تو اسے اچھا آدمی سمجھا جاتا ہے، دراصل عصر حاضر میں عمل کے ماتم کرنے والوں کو آپ جو ہر جگہ دیکھتے ہیں، اس کا اصلی راز یہی ہے چونکہ اصلاح عمل کی اس کوشش میں بعضوں کو یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی عملی کمزوریوں میں جہاں دوسری باتوں کو دخل ہے، انہی میں ان کا یہ اعتقاد کہ دوسروں کے عمل کا ثواب آدمی کو پہنچ سکتا ہے، ایک مؤثر وجہ ترک عمل کی یہ بھی ہے غیر کے عمل کے عدم افادہ

کا ہنگامہ جو آج مچا رہے ہیں، خواہ ان کو اس کا شعور ہو یا نہ ہو لیکن میں جانتا ہوں اور ان کو بھی مطلع کرتا ہوں کہ اس ہنگامہ کے حقیقی محرکات دراصل ان کے اسی قسم کے مادی احساسات ہیں اور اس زمانہ کے چند عام عوارض میں ایک بڑا عارضہ یہ بھی ہے یعنی اصل مقصد کسی من مانی مصلحت کے زیر اثر پہلے طے کر لیا جاتا ہے، دلائل بعد کو تلاش کر لیے جاتے ہیں، اس سلسلے میں کوئی چیز مطلب کے مطابق قرآن میں اگر ان کو مل گئی تو دیکھتے ہیں کہ جو مطلب ہم قرآن کا بیان کریں گے حدیثوں سے ان کی تردید ہو جائے گی؟ تو عملاً حدیثوں کے انکار اور ان کی بے وقعتی سے مضمون کو شروع کیا جاتا ہے، حالانکہ انہی حضرات کو بسا اوقات یہ دیکھا جاتا ہے کہ حدیث تو حدیث عام تاریخی کتابیں مثلاً: طبری، ابن اثیر وغیرہ میں بھی کوئی ایسی چیز مل جاتی ہے جس سے اپنے مقصد کے اثبات میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو اس وقت ان کے پیش کرنے سے بھی یہ نہیں جھجکتے خود حدیثوں کی تضعیف اور ان کے عدم اعتبار کے متعلق جو مواد ان کی طرف سے پیش ہوتا ہے، بجز چند گری پڑی پامال روایتوں کے وہ اور کیا ہے؟ بہر حال مسلمانوں کے عملی کمزوریوں کا مجھے انکار نہیں ہے، ان کی عملی بیداری کی ہر کوشش کو میں زمانہ کی اہم ترین ضرورت یقین کرتا ہوں، لیکن اسلام کے کسی ایک قانون کی تصحیح کے لئے یہ کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے کہ اسی کے دوسرے قانون کا وقتی مصالح کی بنیاد پر انکار کر دیا جائے، آپ مسلمانوں میں عملی بیداری ضرور پیدا کیجئے، ان میں ہر ایک کو غوث وقطب، ابدال، اوتاد بنا کر دم لیجئے، بہت اچھی بات ہے، لیکن یہ بات کہ مومن جو ایمان وتوحید کی دولت لے کر دنیا سے روانہ ہوا ہے اگر عمل کی دنیا سے وہ اب خود فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو اسلام نے اس بے چارے کے لیے فائدہ پہنچانے کا یہ دروازہ جو کھول رکھا ہے یعنی جو لوگ ابھی عمل کی دنیا میں موجود ہیں، وہ چاہیں تو اپنے اعمال کے منافع سے تمتع کا موقع اسے بھی دے سکتے ہیں، آپ بلا وجہ اس دروازہ کو اس غریب پر کیوں بند کرتے ہیں اور تماشہ تو یہ ہے کہ قرآن ہی کی آیتوں سے آپ اپنے اس غلط طرز عمل کی تائید میں ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔

بہر حال جب قرآن ہی سے یہ ثابت ہے کہ غیر کے عمل سے ایمان والوں کو نفع پہنچ سکتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے کہ اگر کوئی بیٹا ابھی اسی عمل کی دنیا میں موجود ہے، وہ اپنے اس باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرے جس کا تعلق عملی دنیا سے منقطع ہو چکا ہے یا بجائے اس کے کہ وہ کچھ پیسے یا کھانا پکا کر خیرات کر کے اس ثواب کو جو خیرات کے اس عمل سے اسے حاصل ہو، اپنے مرحوم باپ کو پہنچا دے۔ یا قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب حق تعالی سے عرض کر کے اس کی طرف منتقل کرتا رہے۔ مانا کہ ان تفصیلات کا ذکر قرآن میں نہیں ہے لیکن اس کے خلاف بھی تو کوئی بات قرآن میں پائی نہیں جاتی، بلکہ اصولاً معلوم ہو چکا کہ غیر کے عمل کے افادہ کو قرآنی قانون کی حیثیت عطا کی گئی ہے۔ اب اسی اصول کے تحت حدیثوں میں جب تفصیلات کی صراحت موجود ہے تو آپ آخر ان حدیثوں کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ آخر جب یہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ جو شخص قرآن مجید کے لفظ

الٓمٓ کا تلفظ کرتا ہے تو اسے ہر ہر حرف کے مقابلہ میں دس نیکیاں ملتی ہیں یعنی الف میں دس حسنہ، لام میں دس حسنہ، میم میں دس حسنہ۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ حسنات کا اتنا بڑا ذخیرہ اتنی سہولت سے کیا اور کسی ذریعہ سے بھی حاصل ہوسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف نے ان لوگوں کے لیے جن سے اگر کچھ نہیں ہوسکتا تو ان کو یہی مشورہ دیا ہے کہ قرآن کی آیتیں ہی پڑھ کر ان کے پڑھنے سے جو حسنات اور نیکیاں تمہیں حاصل ہوتی ہیں، انہیں مرنے والوں تک پہنچا دیا کرو یا اگر توفیق ہو تو خیرات اور فقراء و مساکین کو کھانا کھلا کے اس کا ثواب بخش دیا کریں۔ ظاہر ہے کہ مسئلہ کی اصل صرف اتنی ہے اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ادلہ شرعیہ سے ثابت ہے۔۔۔ (صدق لکھنؤ)

****

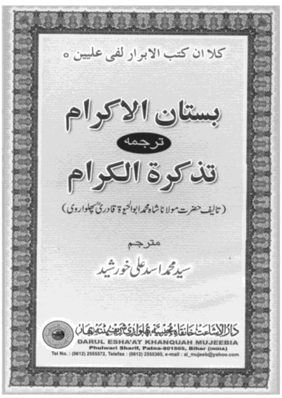

بستان الاکرام

ترجمہ

تذکرۃ الکرام

(تالیف حضرت مولانا شاہ محمد ابوالحیٰوۃ قادری پھلواروی المتوفی: ۱۲۷۶ھ)

مترجم

پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید

''بستان الاکرام'' خانوادۂ مجیبیہ کے ایک ذی وقار عالم حضرت مولانا شاہ محمد ابوالحیات قادری قدس سرہٗ کی دو سو سالہ پرانی فارسی تصنیف ''تذکرۃ الکرام'' کا اُردو ترجمہ ہے، جسے پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید سینئر پروفیسر شعبۂ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے سلیس اور عام فہم انداز میں پیش کر کے ترجمہ نگاری کا بہترین حق ادا کیا ہے اور بہار کی خانقاہوں کے بزرگان دین کے حالات زندگی پر ریسرچ کرنے والوں کے لیے سہولت فراہم کی ہے۔

یہ کتاب ایک مستند تاریخی دستاویز ہے، جس میں خانقاہ مجیبیہ کے تمام بزرگوں کے تذکرے اور ان کے مختصر حالات موجود ہیں۔ ساڑھے پانچ سو صفحات کی بہترین طباعت سے آراستہ۔۔۔ اس کتاب کی قیمت محض -/300 روپے ہے، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے آج ہی طلب فرما کر معلومات میں اضافہ کریں۔

رابطہ: 612-318-1835, +91-994200618

اکیسویں صدی میں تصوف کی معنویت اور امکانات

● شاہ اجمل فاروق ندوی ـــــ نگراں شعبۂ تحقیق، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی

تمہید

تصوف کے متعلق یہ بحث اب فضول ہو چکی ہے کہ کون سا تصوف اسلامی ہے؟ اور کون سا غیر اسلامی؟ اس موضوع پر اتنا لکھا جا چکا اور اس مسئلے کی وضاحت اس کثرت کے ساتھ کی جا چکی کہ اب مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہ گئی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ تصوف کے نام پر جو خرافات، غیر اسلامی اعمال اور لغو چیزیں مفاد پرست اور مادہ پرست لوگوں نے ایجاد کر لی ہیں، اُنہیں تصوف کہنا ہی غلط ہے۔ جس طرح مسلمانوں میں پھیلی بدکاریوں کی بنا پر اسلام کو بدنام نہیں کیا جا سکتا، اُسی طرح جاہل اور مادہ پرست ٹولے کی حرکتوں کی وجہ سے تصوف کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔ ابوالمجاہد زاہد نے بہت خوب کہا ہے:

تصوف اُس جگہ سے غیر اسلامی تصوف ہے
جہاں سے ساتھ چھوڑا ہے تصوف نے شریعت کا

قرونِ اولیٰ سے لے کر عہد جدید تک کے تمام علما و صالحین اس بات کی وضاحت کرتے آئے ہیں کہ تصوف کا مقصد رضائے الٰہی اور اس کے حصول کا راستہ اتباع سنت ہے۔ رسول کریم ﷺ کی راہ سے ہٹ کر جو راہ بھی اختیار کی جائے گی، وہ نا قابل قبول بھی ہوگی اور باعثِ عذاب بھی۔ اس سلسلے میں حضرت ذوالنون مصریؒ کا یہ قول ہماری رہنمائی کرتا ہے:

من علامات المحب لله عزوجل متابعة حبيب الله صلى الله عليه وسلم في أخلاقه وأفعاله وأوامره وسننه ـــ(۱)

اللہ سے محبت کرنے والے کی پہچان یہ ہے کہ وہ اخلاق، اعمال، احکام اور ہر چیز میں اللہ کے محبوب کی پیروی کرتا ہو۔

اسی طرح حضرت جنید بغدادی کا یہ ارشاد بھی بہت فیصلہ کن ہے:

مذهبنا هذا مقيد بأصول الكتاب والسنة، و علمنا هذا مشيد بحديث رسول الله صلى الله عليه وسلم ـــ(۲)

ہمارا یہ راستہ کتاب وسنت کے اصول سے بندھا ہوا ہے اور یہ علم احادیث رسول سے وابستہ ہے۔

تصوف کی ضرورت

کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کی روح پاک ہو چکی، اس کا دل صاف شفاف ہو چکا، اُسے رضائے الٰہی کی نعمت مل چکی اور اب کبھی یہ چیزیں اُس سے دور نہیں ہوسکتیں۔ جب یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا تو اِن چیزوں کے حصول کے لئے کی جانے والی کوشش کی اہمیت کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے؟ روح کی پاکیزگی، قلب کی صفائی اور رضائے الٰہی کی کوشش ایسے اعمال ہیں، جو انسان کی موت تک جاری رہنے چاہییں۔ اُس وقت تک، جب تک کہ انسان کے لیے اعمالِ خیر کا دروازہ بند نہ ہو جائے۔ کیوں کہ:

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے بہت وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ تصوف وہی چیز ہے، جس کو قرآن کریم کی اصطلاح میں تزکیہ اور حدیث نبوی کی اصطلاح میں احسان کہا گیا ہے۔ اس لیے کسی کو تصوف کے نام پر کوئی اعتراض ہو تو اِن دونوں ناموں میں سے کوئی ایک یا دونوں اختیار کرلے۔ لیکن اس کی ضرورت یا عدم ضرورت پر کوئی بحث نہیں کی جاسکتی۔ تزکیہ و احسان کی ضرورت ہر مسلمان کو ہر دور میں تھی، ہے اور رہے گی۔۔۔(۳)

مزید لکھتے ہیں:

احسان اور فقہ باطن سب علمی وشرعی حقائق اور دین کے مسلمہ اصول ہیں، جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں۔ اگر اہل تصوف اس مقصد کے حصول کے لیے (جس کو ہم تزکیہ و احسان سے تعبیر کرتے ہیں) کسی خاص اور متعین راستے یا شکل پر اصرار نہ کرتے (اس لیے کہ زمان ومکان اور نسلوں کے مزاج اور ماحول کے ساتھ اصلاح وتربیت کے طریقے اور ان کے نصاب بھی بدلتے رہتے ہیں) اور وسیلے کے بجائے مقصد پر زور دیتے تو اس مسئلے میں آج سب یک زبان ہوتے اور اختلاف کا سر رشتہ ہی باقی نہ رہتا۔ سب دین کے اس شعبے اور اسلام کے اس رکن کا جس کو ہم تزکیہ یا احسان یا فقہ باطن کہتے ہیں، صاف اقرار کرتے اور اس بات کو بلا تامل قبول کرتے کہ وہ شریعت کی روح، دین کا لب لباب اور زندگی کی بنیادی ضرورت ہے اور یہ کہ جب تک اس شعبے کی طرف کما حقہ توجہ نہ کی جائے، اس وقت تک کمال دین حاصل نہیں ہوسکتا اور اجتماعی زندگی کی بھی اصلاح نہیں ہوسکتی اور نہ صحیح معنی میں زندگی کا لطف آسکتا ہے۔۔۔(۴)

دو بنیادی سوالات

تصوف کی اہمیت اور ضرورت واضح ہونے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ تصوف کی عصری معنویت کیا ہے؟ دوڑ بھاگ

سے بھری ہوئی زندگی میں ہم کسی کو تصوف کی اہمیت کیسے سمجھا سکتے ہیں؟ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ تم اپنی روحانی تربیت کے لیے کچھ وقت نکالو۔ سائنس، ٹیکنالوجی اور سرمایہ داری کے اس دور میں ہم کسی کو تصوف کے اعمال کی طرف کیسے بلا سکتے ہیں؟ کیا آج کا انسان یہ سمجھنے پر آمادہ ہوگا کہ تصوف اُس کی زندگی کی ایک اہم بلکہ سب سے اہم ضرورت ہے؟ اگر کوئی شخص اس کی تسلیم کر لے تو ہمیں اُس کی روحانی تربیت کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کرنا ہوگا؟ نہ اب اہل حق کی خانقاہیں عام ہیں کہ انسان وہاں جا کر کچھ وقت لگائے اور اپنی روحانی تربیت کا انتظام کرے۔ جو چند خانقاہیں موجود ہیں، وہاں جا کر کچھ وقت لگانا عام انسان کے لیے نہایت مشکل ہے۔ گویا اب ہمارے سامنے دو بنیادی سوالات ہیں:

(۱) کیا اکیسویں صدی کے انسان کے لیے تصوف کی ضرورت باقی رہ گئی ہے؟

(۲) اکیسویں صدی میں ایک عام انسان کی اصلاحِ باطن کے کیا کیا طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں؟

آئیے! ان دونوں سوالات پر قدرے تفصیل سے گفتگو کریں۔

موجودہ انسانی مسائل اور تصوف

آج کے انسان کے تمام روحانی امراض کی جڑ مادیت پرستی ہے۔ روحانی وجود کی حفاظت کے لیے روحانیت کی تقویت ضروری ہے، لیکن آج کے انسان کو اس کے مواقع بہت کم حاصل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی دنیا میں روحانی وجود خال خال نظر آتے ہیں۔ غور کیا جائے تو مادیت پرستی کا یہ مرض تین شکلوں میں ظاہر ہو رہا ہے:

(۱) بناوٹی زندگی

(۲) داخلی اضطراب

(۳) فساد فی الارض

یہ تینوں شکلیں اپنا مستقل وجود بھی رکھتی ہیں اور ایک دوسرے سے بندھی ہوئی بھی ہیں۔ انسان سب سے پہلے اپنے ظاہر کو دکھاوے اور بناوٹ کا عادی بناتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اس کی روح مردہ، ضمیر بے دم اور دل بے جان ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر اس روحانی موت کا نتیجہ فساد فی الارض کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی محدود پیمانے پر اور کبھی وسیع ترین پیمانے پر۔

(۱) بناوٹی زندگی

بناوٹی زندگی بظاہر کوئی بڑی مصیبت نہیں لگتی، لیکن معمولی غور و فکر کے بعد اس نتیجے تک پہنچا جا سکتا ہے کہ یہ موجودہ دنیا کے اکثر امراض کی جڑ ہے۔ امریکا سے نکلنے والے مشہور جریدے Psychology Today نے ۲؍جولائی ۲۰۱۸ کو اپنی ویب سائٹ پر پروفیسر کلیر براؤن (Prof. Clair Brown) کا ایک تحقیقی مضمون شائع کیا تھا۔ اس مضمون میں کئی اہم اشارات

کیے گئے ہیں۔مضمون نگار امریکا میں بیٹھ کر اس نتیجے تک پہنچی ہیں کہ دکھاوے کی زندگی سے انسان کو بہت نقصانات ہو رہے ہیں اور یہ زندگی انسانیت کو مختلف ذہنی، جسمانی اور سماجی مصیبتوں سے دوچار کر رہی ہے۔اس مضمون کی کچھ سطریں ملاحظہ کیجیے:

Not much from a happiness or social welfare viewpoint, as Buddhist economics explains. While a person shows off their self-importance, they are still wanting more because another rich person has an even longer yacht or bigger house. The valuation of consumption rests on comparing ourselves to one another. Thorstein Veblen, the 20th Century economist who coined the terms “conspicuous consumption” and “invidious comparisons,” pointed out how individuals use luxury goods to show off their status. Veblen observed that people were living on treadmills of wealth accumulation, competing incessantly with others but rarely increasing their own well-being. This means that when inequality increases, we all feel less well-off even if our income has not gone down. When the rich get even richer and the rest of us don’t get more, our stagnant income and lifestyles seem diminished. Over the past four decades, economic growth has mostly gone to the top 5% of households, and this growth begets more inequality, without increasing social welfare as it exacerbates invidious comparisons.(5)

صرف خوشی یا سماجی بہبود کے نقطۂ نظر سے نہیں، جیسا کہ بدھ مت کی معاشیات بیان کرتی ہے، بلکہ عام طور پر جب کہ ایک شخص اپنی خود کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے، تو دراصل وہ اس سے بھی زیادہ کا طالب ہوتا ہے، کیوں کہ اس کے سامنے دوسرا امیر شخص ہوتا ہے، جس کے پاس اس سے بھی لمبی یاٹ یا بڑا گھر ہوتا ہے۔کھپت کی تشخیص خود کو ایک دوسرے سے موازنہ کرنے پر منحصر ہے۔Thorstein Veblen بیسویں صدی کے ماہر معاشیات جنھوں نے "spicuous consumption" اور "invidious comparisons" جیسی اصطلاحات وضع کیں، انھوں نے اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ لوگ اپنی حیثیت کو ظاہر کرنے کے لیے کس طرح پر تعیش اشیا کا استعمال کرتے ہیں۔ویبلن نے بتایا کہ لوگ دولت جمع کرنے کی ٹریڈمل پر زندگی گزار رہے ہیں، دوسروں کے ساتھ مسلسل مقابلہ کر رہے ہیں، لیکن شاذ و نادر ہی اپنی فلاح و بہبود میں اضافہ کر پاتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جب عدم مساوات بڑھ جاتی ہے، تو ہم سب اپنی کم خوش حالی محسوس کرتے ہیں، چاہے ہماری آمدنی کم نہ ہوئی ہو۔جب امیر اور بھی امیر ہو جاتے ہیں اور ہم میں سے باقی لوگ زیادہ امیر نہیں ہوتے ہیں تو ہماری رکی ہوئی آمدنی اور طرز زندگی کم ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔پچھلی چار دہائیوں کے دوران، اقتصادی ترقی زیادہ تر گھرانوں میں زیادہ سے زیادہ 5% تک پہنچی ہے اور یہ ترقی سماجی بہبود میں اضافہ کیے بغیر، مزید عدم مساوات کو جنم دے رہی ہے کیوں کہ یہ ناگوار مقابلے کو بڑھاتی ہے۔

اس اقتباس کی روشنی میں یہ سمجھنا مشکل نہیں رہ جاتا کہ آج کے انسان نے اپنے اوپر بناوٹ کا ایک خول چڑھالیا ہے۔ اس کی ساری تگ و دو اس خول کی سجاوٹ اور بناؤ سنگار میں صرف ہو رہی ہے۔اس کا اوڑھنا پہننا، کھانا پینا، بولنا چالنا، تجارت یا ملازمت کرنا، اولاد کی تربیت کرنا، ملنا جلنا حتیٰ کہ سوچنا سمجھنا بھی دوسروں کو پیش نظر رکھ کر ہوتا ہے۔لوگ کیا کہیں گے؟ کیا سوچیں گے؟ میرے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے؟ ان سوالات کے ارد گرد اس کی پوری زندگی گھوم رہی ہے۔وہ اس بناوٹ کے لیے اپنا مال دولت زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی فکر میں رہتا ہے اور اس کے لیے دن رات ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے۔اس کی اپنی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔گھر والوں کے ساتھ وقت گزار کر ملنے والی خوشی اور دوستوں یاروں کے ساتھ کی جانے والی موج مستی سے وہ محروم رہتا ہے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ متعدد ذہنی، فکری اور جسمانی امراض کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔دنیا بھر میں ہونے والی بے شمار تحقیقات کے مطابق اس طرح کی غیر فطری زندگی گزارنے کی وجہ سے دوران خون کا بڑھنا (High Blood pressure)، شکر (Sugar)، امراض قلب (Heart diseases)، پیٹ کی متعدد بیماریاں، مختلف طرح کے سر درد، جنسی مسائل، بے خوابی، گردن اور ٹانگوں کے امراض اور اس طرح کے دسیوں امراض پیدا ہو رہے ہیں۔یہ امراض سننے میں تو بہت عام معلوم ہوتے ہیں، لیکن جو لوگ ان امراض کے مستقل شکار رہتے ہیں، وہ کس صورت حال سے دو چار رہتے ہیں، وہی جانتے ہیں۔ان امراض سے انسان جن مسائل کا شکار ہے، وہ تو اپنی جگہ ہیں، ان کے نتیجے میں خرچ ہونے والے سیکڑوں کروڑ کے مالی وسائل بھی انسانیت کے لیے سوہانِ روح سے کم نہیں ہیں۔

اس بڑے انسانی مسئلے کو سامنے رکھ کر جب ہم صوفیائے کرام کی تعلیمات پر نظر ڈالتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ اُن کے ہاں مختلف ناحیوں سے اس بنیادی مسئلے کا حل موجود ہے۔صوفیائے کرام کی تعلیمات پر مشتمل کتابیں توکل علی اللہ، زہد فی الدنیا، استغنا، دنیا اور اہل دنیا سے بے زاری، حب فی الآخرۃ، مادے کی بے حیثیتی اور اس طرح کی دوسری تعلیمات سے بھری پڑی ہیں۔یہ ساری چیزیں وہ ہیں، جو انسان کو ظاہر سے باطن کی طرف، تکلف سے بے تکلفی کی طرف، بناوٹ سے حقیقت کی طرف، حرص و ہوس سے قناعت و توکل کی طرف لے جاتی ہیں۔جو انسان ان اعلیٰ تعلیمات کو اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ نہ صرف یہ کہ بناوٹی زندگی اور اس کی لعنتوں سے دور ہو جاتا ہے، بلکہ اس کے دل و دماغ میں ایسا سکون و اطمینان رچ بس جاتا ہے کہ اسے دنیا کی رنگا رنگی اور بناؤ سنگار سے وحشت ہونے لگتی ہے۔اس سلسلے میں امام احمد ابن حنبل کا یہ قول ہمیں روشنی دکھاتا ہے:

الزهد على ثلاثة أوجه، ترك الحرام وهو زهد العوام، والثاني ترك الفضول من الحلال وهو زهد الخواص، والثالث ترك ما يشتغل العبد عن الله تعالىٰ وهو زهد العارفين—(۶)

زہد تین طرح کا ہوتا ہے۔ایک حرام کاموں کو چھوڑنا۔یہ عوام کا زہد ہے۔دوسرے حلال چیزوں میں سے بھی

ضرورت سے زائد چیزوں کو چھوڑنا۔ یہ خواص کا زہد ہے۔تیسرے ہراس چیز کو چھوڑنا جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے غافل کردے۔ یہ عارفین کا زہد ہوتا ہے۔

اگر آج کا انسان زہد کے ان تین مراحل میں سے صرف پہلے مرحلے کا اہتمام کرلے تو بھی اس کے مسائل بآسانی حل ہو سکتے ہیں۔ دوسرے اور تیسرے مرحلے کے زہد کا تو پوچھنا ہی کیا۔

(۲) داخلی اضطراب

انیسویں صدی میں دنیا نے ایک طرف صنعت وایجادات کے حوالے سے برق رفتاری کے ساتھ ترقی کرنی شروع کی، تو دوسری طرف انسان کو ایک نئے مرض سے سامنا کرنا پڑا۔ تنہائی اور اکیلا پن (Loneliness)۔ یہ مرض اس سے پہلے بھی پایا جاتا تھا لیکن صرف انفرادی طور پر یا بہت محدود پیمانے پر۔ انیسویں صدی میں اس مرض نے شدید وسعت اختیار کرلی۔ اب دنیا کا بڑا حصہ اس سے متأثر ہو گیا۔ اس کے اثرات نے بھی خطرناک رخ اختیار کرلیا۔۔۔۔(۷)

دراصل صنعتی انقلاب کے بعد انسان کی پوری زندگی نے مشینی رخ اختیار کرلیا۔ آہستہ آہستہ اس کی زندگی کا ہر چھوٹا بڑا کام مشینوں پر منحصر ہو گیا۔ ساتھ ہی دولت کی ریل پیل نے ہر انسان کے سر پر مادیت کا نشہ سوار کردیا۔ انسان کا مقصد کمانا کھانا اور مادیت کی راہ میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی دوڑ لگانا بن گیا۔ مادی لحاظ سے بڑے لوگوں کو خدا بنا دیا گیا اور ان کی خوش نودی کے لیے سب کچھ ہنسی خوشی کرنا عقل مندی تصور کیا جانے لگا۔ خودداری، انسانی ہمدردی، غریبوں کی دل داری اور اعزہ واقارب کی خبر گیری کو غیر ضروری اور نادانی کے کام سمجھا جانے لگا۔ گویا انسان خود بھی چلتی پھرتی مشین بن گیا۔ ایسی مشین جس میں نہ دل ہوتا ہے اور نہ احساس۔ وہ تو دن رات اپنے مالک کے اشارے کے مطابق کام میں لگی رہتی ہے۔ مالک اسے کچھ آرام دے دے یا اس میں تیل وغیرہ ڈال دے تو اس کا احسان ہے۔ اس میں یہ طاقت نہیں ہوتی کہ مالک کی مرضی کے خلاف زبان ہلا سکے۔ اسی طرح چلتے چلتے وہ مشین ایک دن بند ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی نہیں چل پاتی۔ اگلے ہی دن مالک اس کو کوڑے کے بھاؤ بیچ کر دوسری مشین لے آتا ہے۔ اس پورے نظام میں پسنے والا انسان شدید اکیلے پن کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ روحانی بے چینی، اندرونی اضطراب،، بہت کچھ ہونے کے باوجود شدید خالی پن کے احساس اور یاس وقنوط میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر یہ چیزیں جسمانی امراض کی شکل اختیار کرتی ہیں تو سخت ذہنی دباؤ، قلبی امراض اور متعدد نفسیاتی امراض اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ جو لوگ ان امراض کے لیے کسی ڈاکٹر کا رخ نہیں کرتے یا اپنے احساسات کو زیادہ عرصے تک دبائے رہتے ہیں وہ نشے کی دنیا میں اپنی پناہ ڈھونڈتے ہیں یا اپنی زندگی کے خاتمے کو ہی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ دنیا میں ہر سال ہونے والے خودکشی کے واقعات اور نشے کی بڑھتی ہوئی رفتار کے پیچھے یہی داخلی اضطراب کارفرما ہے۔۔۔۔(۸)

ان مسائل سے جوجھتا ہوا انسان جب تصوف کی طرف آتا ہے تو سب سے پہلے اس کا سابقہ ایک رہنما سے پڑتا ہے۔ جسے تصوف کی اصطلاح میں مرشد یا پیر کہا جاتا ہے۔ایک ایسا انسان جو حتی الامکان اپنے اندرون کو صاف کر چکنے کے باوجود خود کو ناقص سمجھتا ہے اور دوسروں کو پیار محبت سے صحیح راہ دکھاتا رہتا ہے۔اس کا دروازہ خلق خدا کے لیے ہر وقت کھلا رہتا ہے۔وہ ہر طالب کی باتیں سکون سے سنتا ہے اور پھر اس کی کچھ رہنمائی کرتا ہے۔اکیلے پن اور خالی پن کے شکار انسان کو اور کیا چاہیے؟ یہ تو اس کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔یعنی اسے راہِ سلوک پر گامزن ہونے سے پہلے ہی مسائل کا حل اور غموں کا مداوا مل جاتا ہے۔

اس کے بعد وہ مرشد کامل سے حسب توفیق استفادہ کر کے سکون واطمینان کی فضا میں سانس لینے لگتا ہے۔مرشد کے پاس اسے ذکر واذکار کے ذریعے اللہ کے قادر مطلق ہونے اور باقی سب کے عاجز ہونے کا سبق ملتا ہے۔مراقبے اور مجاہدے کے ذریعے اسے اللہ کے باقی ہونے اور باقی سب کے فانی ہونے کا علم ہوتا ہے۔سب کے ساتھ محبت وموانست،خلق خدا کی خدمت اور ان کے ساتھ ہم دردی کو سب سے عظیم عبادت جاننے کا درس ملتا ہے۔اپنے رشتے داروں،پڑوسیوں اور دوستوں یاروں کی خبر گیری،عیادت،تہنیت،تعزیت اور ان کے ساتھ ہنستے بولتے کچھ وقت گزارنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔یہ تمام تعلیمات اس کی زندگی کی کایا پلٹ دیتی ہیں۔اس طرح وہ مایوس انسان اپنی روح کو پرسکون اور جسم کو صحت مند کر کے خالق کائنات کے نظام فطرت کا حصہ بن جاتا ہے۔

(۳) فساد فی الارض

موجودہ دنیا کا تیسرا سب سے بڑا مسئلہ فساد فی الارض ہے۔یہ ایک قرآنی اصطلاح ہے۔اللہ تعالیٰ نے زمین میں پھیلائے جانے والے مختلف بگاڑوں کو فساد سے تعبیر کیا ہے—(۹)

اس زمین پر برپا ہونے والا پہلا فساد وہ تھا،جو حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے اپنے بھائی کا خون بہا کر پیدا کیا تھا—(۱۰)

آخری فساد قیامت کے بالکل قریب مسیح دجال کے ذریعے برپا کیا جائے گا—(۱۱)

اس پہلے اور آخری فساد کے درمیان واقع ہونے والا ہر وہ واقعہ جس سے انسانیت مصیبت میں گرفتار ہو،اسے فساد فی الارض کہا جاتا ہے۔کفر وشرک،لوٹ مار،کالا بازاری،دھوکہ دہی،چوری ڈکیتی،زنا کاری،قتل وغارت گری،دنیوی فائدے کے لیے ہونے والی جنگیں،دولت کے نشے میں انسانیت کو نشے اور جنسیات کا عادی بنانا،اپنی تجوریاں بھرنے کے لیے نئے نئے موذی امراض پھیلانا یا بڑے بڑے گھوٹالے کرنا،میڈیا کے ذریعے جھوٹ پھیلانا،رشوت خوری،سودی کاروبار،جوا یا سٹے بازی، ظالمانہ ٹیکس اور اس طرح کی بے شمار چیزیں زمین میں فساد برپا کرنے میں شامل ہیں۔ماضی قریب میں پوری دنیا کو اپنی

لپیٹ میں لینے والا پراسرار مرض Covid19 بھی فساد فی الارض کی ایک شکل تھی۔ دنیا کے مٹھی بھر انسانوں پر فساد فی الارض کا دورہ پڑتا ہے اور وہ پوری انسانیت کو انتہائی نازک حالات سے دو چار کر دیتے ہیں۔ ماضی میں بھی یہی ہوا ہے اور آج بھی یہی ہو رہا ہے۔ اس میں عام انسانوں کا جرم یہ ہوتا ہے کہ وہ اس طرح کی فسادی طاقتوں کے ہاتھوں کٹ پتلی بن جاتے ہیں۔ ان کے سجھائے ہوئے خطرناک راستے پر چلنے لگتے ہیں۔ یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ ایک انسان ہیں۔

تصوف کے اندر اس بات کی پوری صلاحیت موجود ہے کہ وہ انسان کو انسان بنائے۔ آدمیت کا سبق یاد دلائے۔ نفس پرستی کے راستے سے ہٹا کر خدا پرستی کی راہ پر لگائے۔ اللہ کی بنائی ہوئی اس حسین دنیا کو جہنم کے بجائے جنت بنائے۔ تصوف میں خلق سے محبت، مخلوق کی خدمت اور ہر انسان کو اپنا بنانے کا جو درس بنیادی حیثیت رکھتا ہے، وہی درس فساد سے بھری اس دنیا کو جنت نما بنا سکتا ہے۔ یہ طاقت امن کے علم بردار کسی اور مذہب میں نہیں ہے۔ کیوں کہ دوسرے مذاہب امن کی دعوت تو دے سکتے ہیں، لیکن نہ تو پوری انسانیت کو ایک مرکز پر جمع کر سکتے ہیں اور نہ انسانوں کو عالمی بھائی چارے کا درس دے سکتے ہیں۔ یہ کام صرف اسلام کر سکتا ہے کہ سارے انسانوں کو وحدانیت کے محور کے گرد جمع کرے اور ایک ماں باپ کی اولاد ہونے کا تصور دے کر رنگ، نسل، ذات اور علاقائیت کے ہر بت کو پاش پاش کر دے۔ شاید ہم برصغیر والے اس بات کو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، کیوں کہ ہمارے پاس حضرت سید علی ہجویری، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید الدین مسعود گنج شکر، خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی، خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، خواجہ سید محمد حسینی بندہ نواز اور ان جیسے بے شمار اولیاو اصفیا ہیں۔ ان میں سے ایک ایک شخص نے ہزار ہا ہزار بندگان خدا کو ان کے رب سے جوڑنے اور فساد فی الارض کو ختم کرنے کا کام نہایت وسیع پیمانے پر انجام دیا ہے۔

امکانات

عہد حاضر میں تصوف کی معنویت اور اہمیت و افادیت سمجھنے کے بعد اب یہاں دوسرا سوال سامنے آتا ہے۔ آج کے دور میں تصوف کے لیے کیا امکانات موجود ہیں؟ کیا آج کے انسان کے لیے تصوف کو قابل عمل بنایا جا سکتا ہے، جس کے ذریعے وہ اپنے مسائل حل کر سکے؟ کیا تصوف کا سیکڑوں سالہ قدیم نظام اپنے اندر ایسی لچک رکھتا ہے، جس کے ذریعے وہ اکیسویں صدی کے بدحال انسان کے لیے لائق عمل بن سکے؟ اس کا بہت آسان جواب یہ ہے کہ تصوف اسلام کا ایک انتہائی اہم شعبہ ہے۔ لہٰذا جس طرح اسلام کے اندر ہر دور اور زمانے کا ساتھ دینے کی پوری صلاحیت موجود ہے، اُسی طرح تصوف کے اندر بھی یہ صلاحیت بہ درجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ لیکن تصوف کو آج کے انسانی مسائل کے لیے بہترین عملی حل کے طور پیش کرنا، اُس وقت تک کوئی حیثیت نہیں رکھتا، جب تک کہ اسے عملی نہ بنا دیا جائے۔ اس بڑے مرحلے کو طے کرنے کے لئے

یہ عملی اقدامات کیے جاسکتے ہیں:

(۱) معاشرے میں تصوف کی پوزیشن واضح کی جائے۔تصوف کے نام پر بددینی اوراسلام مخالف چیزوں کوفروغ دینے والوں کی سخت مذمت کی جائے۔دنیا کو بتایا جائے کہ تصوف اِس گورکھ دھندے کا نام نہیں، بلکہ ایک پاکیزہ اسلامی تربیتی نظام کا نام ہے۔

(۲) اپنے اندروہ کشادہ دلی، مال وجاہ سے بےزاری، سخاوت، تواضع، نرمی اور جھکاؤ، اعتدال ومیانہ روی اور خوش خلقی پیدا کی جائے، جو ہر دور میں صوفیائے کرام کی شناخت رہی ہے۔

(۳) خانقاہوں کے دروازے نئی نسل کے لیے کھول دیے جائیں۔اس طور پر کہ انھیں خانقاہوں میں وحشت اور اجنبی پن محسوس نہ ہو۔اس کے لیے خانقاہوں کے ظاہری ماحول کو بھی مناسب بنانا ہوگا اوراہل خانقاہ کی وضع قطع اوراخلاق میں بھی بڑی تبدیلی کی ضرورت ہوگی۔

(۵) خانقاہوں میں اس طرح کے پروگرام منعقد کیے جائیں، جن میں آج کا انسان دلچسپی محسوس کرے۔مثلاً: آپ کے مسائل اوراُن کا حل، نوجوانوں کے مسائل: اسباب وعلاج، تعلیم: کیوں اور کیسے؟، معاشی تنگی: اسباب اورحل، ذہنی الجھنوں کے اسباب اورعلاج، روحانی بےچینی کے اسباب وعلاج، گھریلو جھگڑے اوران کا حل۔

(۶) مذکورِ بالا موضوعات پر چھوٹے چھوٹے پمفلٹ، عالمی وعلاقائی زبانوں میں دل کش گٹ اَپ کے ساتھ شائع کرنا۔ساتھ ہی ان موضوعات پر آڈیو، ویڈیو مواد فراہم کرنا۔

(۷) معروف وغیر معروف بزرگانِ دین کے احوال کو ہر ممکنہ وسیلے کے ذریعے گھر گھر پہنچانا۔

(۸) ایسے آن لائن یا آف لائن پروگرام منعقد کیے جائیں، جن میں عوام کو اپنے احساسات پیش کرنے کا موقع بھی مل سکے۔جیسے: روحانی، ذہنی اورفکری الجھنوں پر سوال جواب کا پروگرام۔

(۹) اس طرح کے پروگرام خانقاہوں سے نکل کر تعلیمی اداروں اور دوسرے اہم مقامات پر منعقد کرنے کی بھی کوشش کی جائے۔

(۱۰) سب سے بڑھ کر یہ کہ اہل تصوف، بالخصوص مشائخ ومرشدین اپنے اورعوام کے درمیان حائل اونچی دیواروں کو ڈھادیں، تاکہ دوریاں ختم ہوں، شکوک وشبہات کے جالے جھڑ جائیں اورعوام کو بلاواسطہ مشائخ ومرشدین کی زندگیوں میں تصوف کا عملی نمونہ دیکھنے کو ملے۔

یہاں اس بات کا اعتراف ضروری ہے کہ ان میں سے بہت سے اہم اقدامات مختلف معتبر خانقاہوں اور مستند مشائخ

کی جانب سے کیے جارہے ہیں۔ الحمدللہ اس کے مثبت نتائج بھی ظاہر ہورہے ہیں۔ لیکن ان اقدامات کی رفتار بہت سست اور مقدار بہت کم ہے۔ اہل تصوف کو مذکورہ بالا تمام کام پوری قوت کے ساتھ کرنے ہوں گے۔ ان شاء اللہ پھر عہد حاضر میں تصوف کی معنویت بھی واضح ہوگی اور بے چین انسان کو چین سکون بھی میسر آئے گا۔

خاتمہ

اکیسویں صدی میں تصوف کی معنویت اور امکانات کے متعلق اس مختصر جائزے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اکیسویں صدی میں اسلام کے نظامِ تزکیہ واحسان اور نظامِ تصوف وسلوک کے لیے کام کرنے کا وسیع میدان کھلا ہوا ہے۔ آج کے انسان کو پہلے سے کہیں زیادہ تصوف کی ضرورت ہے۔ اگلے زمانوں کا انسان صرف روحانی امراض کے علاج کے لیے تصوف سے وابستہ ہوتا تھا، آج کا انسان روحانی امراض کے ساتھ ساتھ جسمانی طور پر بھی بیمار ہوچکا ہے۔ بیماریاں بھی معمولی نہیں، مہلک اور تباہ کن۔ آج کے انسان کے بے شمار مسائل حل ہوجائیں، اگر وہ خلوص دل کے ساتھ اس نظام کا تجربہ کر دیکھے۔ اس کی زندگی سکون و اطمینان سے بھر جائے۔ بے چینی اور اضطراب ختم ہوجائے۔ کیوں کہ دنیا کی بے حیثیتی، اخروی زندگی کی ہمیشگی کا یقین، مادے (Material) کے بے اصل ہونے، بہ ظاہر معمولی نظر آنے والے اخلاقی امراض کے انتہائی خطرناک ہونے کا یقین، ایک ذات کے مالک وحاکم ہونے اور باقی سب کے غلام وحقیر ہونے کا احساس، دنیا کی سب سے بڑی نعمت رضائے الٰہی کو سمجھنا اور اس کے حصول کو اپنی زندگی کا مدار اور محور بنانا، ایک خاص ترتیب کے ساتھ رشتے داروں، عزیزوں، پڑوسیوں، دوستوں، غریبوں، ناداروں، حتیٰ کہ جانوروں، پرندوں اور نباتات تک کے حقوق کی اہمیت، انسان کو ایک فطری زندگی گزارنے پر آمادہ کرتی ہے۔ شریعت کی روشنی میں ان تمام عقائد واخلاق کی تربیت کا نام ہی تصوف ہے۔ عقائد کی پختگی اور اخلاق کی برتری ہی تصوف کا موضوع ہے۔ اگر انسانیت اس عظیم نظام سے وابستگی اختیار کرکے اپنا سفر آگے بڑھائے گی تو مادی ترقی کے ساتھ روحانی ترقی بھی اس کا مقدر بن جائے گی۔ وہ روحانی ترقی، جس کے بغیر مادی ترقیات انسان کے لیے آفت اور مصیبت بن چکی ہیں۔ بالکل اسی طرح، جس طرح روح کے بغیر جسم بے کار ہوتا ہے، اُسی طرح دنیا کی روحانی ترقی کے بغیر مادی ترقی کا کوئی مطلب نہیں۔

حواشی :

(۱) قشیری، ابوالقاسم عبدالکریم ابن ہوازن، الرسالۃ القشیریۃ فی علم التصوف، المکتبۃ التوفیقیۃ، قاہرہ، ۲۰۱۵، ص: ۴۰۔

(۲) الرسالۃ القشیریۃ، حوالۂ سابق، ص: ۸۲۔

(۳) ندوی، سید ابوالحسن علی، تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ، ۱۹۷۹، ص: ۱۳، ۱۶۔

(۴) تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک، حوالہ سابق، ص: ۱۶، ۱۷۔

(۵) https://www.psychologytoday.com

(۶) الرسالۃ القشیریۃ حوالہ سابق ص: ۲۳۲۔

(۷) وکی پیڈیا کا مقالہ، بعنوان Loneliness

(۸) اس موضوع پر بڑا لٹریچر وجود میں آچکا ہے۔ بیسیوں تحقیقاتی رپورٹیں انٹرنیٹ پر دستیاب ہیں۔ مثلاً:

Kendra Cherry کا مختصر مضمون Loneliness Causes and Health Consequences کے موضوع پر https://www.verywellmind.com/ پر دیکھا جاسکتا ہے۔

(۹) نمونے کے طور پر قرآن کریم کی یہ آیات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں: البقرہ ۳۰، ۶۰، ۲۰۴، ۲۰۶، المائدہ ۳۳، ۶۴، ہود ۸۵، الرعد ۲۵۔

(۱۰) المائدہ، آیت: ۳۱

(۱۱) دجال کے سلسلے میں رسول اکرم ﷺ نے بہت تفصیل کے ساتھ انسانیت کو خبردار فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں احادیث کی کتابوں سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر صحیحین میں کتاب الفتن سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

****

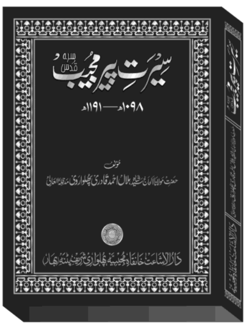

سیرتِ پیر مجیب قدس سرہ

(جدید ایڈیشن مع اضافہ)

مؤلف

حضرت مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

خانوادۂ مجیبیہ کے ایک نکتہ سنج، دقیقہ رس، ذی وقار عالم عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی مایۂ ناز گرانقدر تالیف ہے، جس میں بانیٔ خانقاہ مجیبی حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ کے علمی وعرفانی کمالات، دینی خدمات، ارشاد وہدایت، تربیت وتزکیۂ نفوس کے طریقے، خانقاہ مجیبی کی خصوصیات، حضرت کے کرامات وتصرفات، خلفاء ومجازین اور ہم عصر علماء ومشائخ کے حالات نہایت احسن پیرایے میں تحریر کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب خانقاہ کے بزرگوں کے حالات زندگی پر ریسرچ کرنے والوں کے لئے انمول تحفہ ہے، جو بہت ساری نادر ونایاب کتب ورسائل اور قلمی نسخہ جات کا جامع مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ایک اہم تاریخی دستاویز کے ساتھ ساتھ واقعات وحالات کا ایک دلچسپ مرقع بھی ہے، جسے ترتیب دے کر مؤلف نے قارئین ومستفیدین پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ پوری کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے، جس کے ہر باب کے اندر کثیر معلومات اور ان گنت شواہد کے ذخائر موجود ہیں۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر مستند تاریخ، جامع سوانح ہے، جو دیدہ زیب طباعت اور خوشنما سرورق سے مزین 480 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی قیمت محض -/400 روپے ہے۔ دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے آج ہی حاصل کیجئے اور اپنی معلومات میں اضافہ کیجئے۔

رابطہ : +91-994200618, 612-318-1835

۲ گذشتہ سے پیوستہ

کتاب ''بہار میں اردو ادب کا ابتدائی زمانہ'' ایک تنقیدی جائزہ

● مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

(۷) شاہ حمزہ علی رندؔ

ان کے بارے میں ڈاکٹر صاحب تحریر کرتے ہیں۔

رندؔ نے شادی نہیں کی تھی۔ اس کا اندازہ ان کے قبر پر لگے ہوئے کتبہ کے اس شعر سے ہوتا ہے۔

عاشق حق مجرد و آزاد ❁ شاہ حمزہ علی پاک موجود

رندؔ سلطان العارفین حضرت سید شاہ کریم اللہ قدس سرہ سجادہ نشیں خانقاہ شاہ ارزانی پٹنہ کے مرید وخلیفہ تھے۔ حضرت شاہ کریم اللہ قدس سرہ نے خود بھی شادی نہیں کی تھی، اور ان کے اکثر خلفہ (کذا) مجرد ہی رہے تھے۔ مثلاً حضرت عشق علی شاہ، حضرت خشنما (کذا) صاحب، شیخ غلام علی راسخ اور حضرت شاہ غلام حسن قدس سرہ وغیرہم ـــ (ص: ۲۴۱)

ڈاکٹر صاحب کی اس تحقیق پر چند سوالات اٹھتے ہیں۔

(الف) رند کے شاہ کریم اللہ صاحب کے مرید وخلیفہ ہونے کے ثبوت کے لئے کوئی حوالہ موجود نہیں ہے۔

(ب) شاہ کریم اللہ صاحب نے شادی نہیں کی تھی۔ اس کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔

(ج) عشق علی شاہ نے شادی نہیں کی تھی اس کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔

(د) غلام علی راسخ نے شادی نہیں کی تھی۔ یہ احتمالی بات ہے، قطعی نہیں، کیونکہ شعرا کے تذکروں میں اس کی صراحت نہیں ہے۔

(ہ) اسی طرح رند کے غیر شادی شدہ رہنے کا ثبوت کتبہ کے شعر میں مجرد و آزاد کے الفاظ سے دینا درست نہیں ہے، کیونکہ تذکرہ نگاروں نے رند کی مجذوبیت اور ترک لباس کو ذکر کیا ہے۔ شورش لکھتا ہے۔ الحال ترک لباس نمودہ، سر برہنہ، در شہر

می مانندو اکثر گریاں۔

گلزار ابراہیم میں ہے۔آخر بجذبہ باطن ترک علائق ظاہر نمودہ، در مرشدآباد سر و پابرہنہ بالنگ وگلیم می گشت۔

تذکرہ عشقی میں ہے۔تیس سال سے عظیم آباد میں آزادانہ زندگی گزار رہے ہیں۔

تذکرہ گلشن سخن میں ہے۔ترک علائق دنیوی نمودہ در مرشدآباد چندے سر و پابرہنہ می گشت،واشعار خود می خواند و می گریست۔

اسی ترک لباس اور سر و پابرہنہ ہونے کو مجرد وآزاد سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس لئے مجرد وآزاد سے غیر شادی شدہ ہونا متعین نہیں ہے۔درگاہ شاہ ارزانی کے سجادگان کا غیر شادی شدہ ہونا خود محتاج ثبوت ہے۔

(۸)مرزا محمد علی فدوی

ڈاکٹر صاحب مرزا محمد علی فدوی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

خانقاہ شاہ ارزانی میں ایک بیاض ہے جس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ تکیہ حضرت عشق کے علاوہ خانقاہ شاہ ارزانی میں اکثر آیا کرتے تھے اور وہاں کے سجادہ نشیں کفر شکن حضرت شاہ غلام حسن (م۱۲۱۶ھ) سے انہیں عقیدت تھی۔(ص ۱۵۲)

یہاں بھی انہوں نے شاہ غلام حسن صاحب سے فدوی کی عقیدت کا کوئی مستند حوالہ نہیں دیا ہے۔صرف یہ کہ خانقاہ شاہ ارزانی میں ایک بیاض ہے۔یہ بیاض کس کی لکھی ہوئی ہے؟ کب لکھی گئی ہے؟ کس حد تک مستند ہے اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ تمام تذکروں میں فدوی کے وہاں حاضری اور عقیدت کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔ڈاکٹر سید محمد حسنین صاحب کی کتاب ’’مرزا محمد علی فدوی۔ان کا عصر، حیات، شاعری اور ان کا کلام‘‘ فدوی پر تحقیقی کتاب ہے۔اس میں صرف حضرت رکن الدین عشق رحمۃ اللہ علیہ سے فدوی کی گہری عقیدت کا تفصیلی ذکر ہے۔لیکن درگاہ شاہ ارزاں سے ان کی عقیدت کو کوئی تذکرہ نہیں ہے۔اس لئے یہ بھی تاریخ سازی معلوم ہوتی ہے۔

(۹)محمد جعفر خاں راغبؔ (م۱۲۱۷ھ)

ڈاکٹر صاحب جعفر خاں راغب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

مثنوی ’’شورش عشق‘‘ کے اشعار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ راغب خانقاہ حضرت شاہ ارزانی پٹنہ کے صاحب سجادہ سلطان العارفین حضرت سید شاہ کریم اللہ قدس سرہ (م۱۱۸۵ھ) سے مرید ہو گئے تھے۔

جو اس جائے میں اہل سجادہ ہیں ❁ بہت لطف وخوبی کے آمادہ ہیں
ملے مجھ سے لطف وعنایت کے ساتھ ❁ وہ پیش آئے ازبسکہ شفقت کے ساتھ
بہت خوش ہوا دل مرا ان سے مل ❁ کہ ہیں میر درویش اور اہل دل

اونہیں حق تعالی سلامت رکھے ❁ ہمیشہ بعزت بحرمت رکھے
پھر اون سے بھی پیدا کی میں بندگی ❁ ہوئی دفع دل کی پراگندگی
__(ص:۱۸۳)

ڈاکٹر صاحب آگے لکھتے ہیں۔

یہ مثنوی راغب نے ۱۲۱۴ھ میں قصبہ برہ پور میں لکھی تھی،(ص:۱۸۴)

اس پر کچھ سوالات اٹھتے ہیں۔

(الف) کسی تذکرہ میں راغب کے جناب شاہ کریم اللہ صاحب سے بیعت ہونے کا ذکر نہیں ہے،ڈاکٹر صاحب راغب کی مثنوی ’’شورش عشق‘‘ کے کچھ اشعار سے جو درگاہ شاہ ارزاں کی حاضری کے بارے میں ہیں، یہ مفہوم نکالنے کی کوشش کی ہے۔

(ب) اس میں اہل سجادہ سے شاہ کریم اللہ صاحب مراد ہیں یہ محل نظر ہے۔کیونکہ ان کی وفات ۱۱۸۵ھ میں ہوئی ہے اور جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ مثنوی ۱۲۱۴ھ میں (یعنی ان کی وفات کے ۲۹ سال کے بعد) لکھی گئی ہے۔راغب نے اس مثنوی میں صاحب سجادہ کے لئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باحیات ہیں ۔’’اہل سجادہ ہیں ۔لطف پر آمادہ ہیں ۔حق تعالی سلامت رکھے۔ بعزت بحرمت رکھے۔‘‘اس لئے یہ الفاظ شاہ کریم اللہ صاحب کے بارے میں نہیں ہو سکتے۔

(ج) راسخ عظیم آبادی حضرت فرد قدس سرہ کے والد ماجد حضرت شاہ نعمت اللہ قدس سرہ کو اپنے مکتوب میں ’’پیرومرشد‘‘ کہتے ہیں مگر بزرگان پھلواری ان کو حضرت شاہ نعمت اللہ قدس سرہ کا مرید نہیں مانتے کیونکہ حضرت کے مریدوں کی فہرست میں ان کا نام نہیں ہے، ڈاکٹر صاحب بھی اس کو تسلیم نہیں کرتے اور ایک اختراعی تحریر پیش کر کے شاہ کریم اللہ صاحب سے ان کی بیعت کرا دیتے ہیں اور یہاں راغب کے ذکر میں ان کی مثنوی کے ایک جملہ’’بندگی پیدا کرنے‘‘ سے ان کو شاہ کریم اللہ صاحب کا مرید مان لیتے ہیں ۔یہ تحقیق کی نادر مثال ہے۔جبکہ بندگی کرنا ادب و احترام کرنے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب راغبؔ کو اپنی خانقاہ میں مرید کرانے میں ایسے مشغول ہوئے کہ راغبؔ کی مثنوی’’فتح نامہ‘‘ کا انہوں نے صرف ذکر کیا اور یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے کہ’’یہ شمالی ہندوستان کی پہلی رزمیہ مثنوی ہے۔‘‘اس کے بارے میں یہ نہیں بتایا کہ یہ کب اور کیوں لکھی گئی ہے۔حقیقت میں یہ مثنوی مشہور و معروف مجاہد آزادی سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ کی انگریزوں کے ہاتھوں شکست اور انگریزوں کی فتح پر انگریزوں کو مبارکباد دینے کے لئے لکھی گئی تھی۔اس کے بارے میں ڈاکٹر نعیم احمد’’دواوین غزلیات محمد جعفر خاں راغب‘‘ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی اور پھر برطانوی کے بارے میں بعض دانشوروں اور اعلی طبقہ کے بہت سے افراد حمایت کا رویہ جو

اختیار کیا تھا اس کی وکالت میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اس وقت ہندوستان قوم پرستی کے نظریہ سے نا آشنا تھا، حقیقت یہ ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی اس حمایت اور اس کے اہل کاروں سے لوہا لینے والوں کی شکست پر اظہار مسرت میں بھی مفاد کا جذبہ کارفرما تھا۔ راغب نے لارڈ کارنوالس کے ہاتھوں سلطان ٹیپو کی شکست پر (۱۷۹۲ء) ایک پرجوش فتح نامہ لکھا تھا جو ۱۸۴/اشعار پر مشتمل ہے، سبب تصنیف فتح نامہ کے تحت جو اشعار ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان ٹیپو کی شکست اور اس کے بیٹوں کے یرغمال بنائے جانے پر راغب کی طرف سے کارنوالس اور دوسرے انگریز افسروں کو جو منظوم مبارکباد پیش کی جارہی ہے اس کا سبب قوم پرستی کے جذبے کا فقدان یا اس سے محرومی نہیں، اس نظم کی محرک انگریزوں سے منفعت کی امید ہے۔ راغب کے بیان کے مطابق اس فتح نامہ کی تصنیف کا مقصد انگریزوں کو دل خوش کرنا تھا، تا کہ وہ اس کی جاگیر واگزار کردیں۔

کہ سن اس کو انگریز عالی مقام ❁ رکھوں ہوں پہ یہ چشم میں ناتمام
وہ خوش مجھ سے ہوں، ان سے میں کامیاب ❁ طرب کا کریں دل پہ وا اپنے باب
سوا اس کے کچھ اور خواہش نہیں ❁ کسو فکر سے مجھ کو کاہش نہیں
کہ جاگیر میری ہو اب واگزار ❁ ہوں ایک اس عنایت کا امیدوار

—(مقدمہ دوواین غزلیات محمد جعفر خاں راغب ص: ۹-۱۰)

—(جاری)

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

اس کیو-آر کوڈ کے ذریعے :

- دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی موجودہ اہم مطبوعات حاصل کرسکتے ہیں۔
- سہ ماہی مجلہ ''المجیب'' کی پی، ڈی، ایف آن لائن ڈاؤن لوڈ کرسکتے ہیں۔
- خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف اور یہاں کے تمام شعبہ جات کی مکمل معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔
- یوٹیوب، فیس بک اور واٹس ایپ وغیرہ پر رویت ہلال، اعراس ومجالس کے اعلانات ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

https//:linktr.ee/khanquahmujeebia

استدراک برمضمون
’’حضرت شیخ قطب الدین بینا دل جونپوری ؒ‘‘

● جناب شاہ ظفر الیقین صاحب زید مجدہ ـــ آستانہ حضرت قطب الدین بینا دل قلندر جونپور

جولائی تا ستمبر ۲۰۲۴ء کے المجیب میں سید نیر رضوی صاحب کا فاضلانہ مقالہ ’’حضرت قطب الدین بینا دل جونپوری اور خانقاہ مجیبیہ‘‘ شائع ہوا ہے، یہ ایک اچھا مقالہ ہے مگر اس میں چند ایسے تسامحات راہ پا گئے ہیں جن کی نشاندہی ضروری ہے ورنہ یہ آگے چل کر تاریخ کا حصہ بن جائیں گے۔

(۱) ’’سلطان فیروز شاہ نے شہر جونپور کو تعمیر کرایا تھا، بعد میں السلطان المجاہد ابوالفتح محمد شاہ جونا خاں جب سلطان بنا تو اس نے اپنے ہی نام پر اس شہر کا نام ’’جونپور‘‘ رکھ دیا‘‘ ـــ(صفحہ: ۵۳)

عام تاریخی حقیقت ہے فیروز شاہ خود محمد تغلق عرف جونا خاں کے بعد سلطان بنا اور اسی نے اپنے مربی وعم زاد بھائی جونا خان کے نام پر شہر ’’جونا پور‘‘ بسایا جو بعد زمانہ کے سبب ’’جونپور‘‘ شکل اختیار کر گیا۔

(۲) حضرت قطب الدین بینا دل کو ملا رکن الدین یک لکھی ظفر آبادی کی اولاد اور ان کو حضرت سیدنا غوث الاعظم کی اولاد بتا کر ’’سادات قطبی‘‘ بتایا گیا ہے ـــ(صفحہ: ۴۹، ۵۰)

حضرت ملا رکن الدین یک لکھی ظفر آبادی عباسی ہیں اور ’’سادات قطبی‘‘ بڑے پیر صاحب کی اولاد نہیں ہیں، سادات قطبی میں مولانا علی میاں کا خاندان ہے اور اسی خاندان میں حضرت سید فضل اللہ قلندر بھی ہیں، حضرت قطب الدین بینا دل تو شیخ فاروقی ہیں، نسب نامہ ۱۱۷۶ھ کی تصنیف مراد المریدین سے لے کر اذ کار الابرار مطبوعہ (صفحہ: ۷۵) اور جدید کتاب گلشن قلندریہ (صفحہ: ۸۲) میں شامل ہے مؤخر الذکر دونوں کتابیں سیرت پیر مجیب کے مراجع ومصادر میں شامل ہیں۔

(۳) ''حضرت شیخ محمد قطب قلندر کا مزار مبارک اپنے والد کے مزار اقدس کے برابر میں ہے''۔ــ(صفحہ:۵۱)
جب کہ والد کے برابر میں حظیرہ میں کوئی مزار نہیں ہے، دراصل پائیں متصل واقع ہے۔

(۴) ''حضرت شیخ فتح علی قلندر جونپوری ایک صاحب مراتب بزرگ گذرے ہیں جو شیخ عبدالقدوس قلندر کے مرید وخلیفہ تھے اور شاہ عبدالرحمن لاہرپوری سے بھی روحانی فیض حاصل تھا''۔ــ(صفحہ:۵)
جب کہ وہ حضرت شاہ مجتبی عرف شاہ مجا قلندر کے خلیفہ ہیں (سیرت پیر مجیب صفحہ:۲۲۰) اور شاہ عبد الرحمن لاہرپوری حضرت مجا قلندرؒ کے پردادا ہیں۔ حضرت شاہ مجا قلندر بن حضرت شاہ مصطفے بن امین الدین بن شاہ عبدالرحمن لاہرپوری ہیں (اذ کارالابرار، صفحہ:۱۴۱) ان کا نام بھی شاہ فتح محمد قلندر رہے۔

(۵) ''حضرت سید وجہ الدین چشتی قادری کے خلیفہ حضرت عبداللہ جونپوری تھے''۔ــ(صفحہ:۵۲)
جب کہ حضرت عبداللہ قلندر جونپوری خود ہی حضرت قطب الدین بینادل کے خلیفہ تھے، حضرت وجہ الدین کے ساتھ چشتی نسبت بھی نئی ہے۔

(۶) ''حضرت سید نجم الدین قلندر غوث الدہر رحمۃ اللہ علیہ حسینی سید تھے، والد کا نام حضرت سید نظام الدین غزنوی تھا اور والدہ محترمہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی ہمشیرہ تھیں''۔ــ(صفحہ:۵۳)
جب کہ یہ ان کی پردادی تھیں یعنی ان کے دادا حضرت سید نورالدین مبارک غزنوی کی والدہ تھیں (اذ کارالابرار، صفحہ: ۴۷) اور یہی ممکن بھی ہے کیوں کہ حضرت سید نورالدین مبارک غزنوی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے ــ(آثارات پھلواری شریف، صفحہ:۳۳، وسیرت پیر مجیب، صفحہ:۱۰۲، ۱۲۴، ۱۲۸)

(۷) ''حضرت سید نجم الدین غوث الدہر قلندر بعہد سلطان شمس الدین ابراہیم شاہ ابراہیم خان جونپور تشریف لائے'' ــ(صفحہ:۴۹)
صحیح نام ملک اکرم شمس الدین المعروف ابراہیم شاہ (شرقی) ہے۔(صفحہ:۱۳۶، تاریخ سلاطین شرقی اور صوفیائے ہند از سید اقبال احمد جونپوری)

پرگنہ ساہل کو ''ماہسل'' (صفحہ:۵۲) محلہ جوگیا پور کو جوگیا (۵۰) ''جوگیارہ'' (۵۱) تحریر کیا گیا ہے۔
امید ہے کہ انداز تحریر میں جو بھی گستاخی ہوئی ہو اسے درگزر فرما کر اصل موضوع پر توجہ دی جائے گی۔

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

قند پارسی

● حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقبؔ قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

منظر چشمم نگار رو و رخسار تو خوش ❁ طوطیم در مدح گلہائے چمن زار تو خوش
تشنگاں در شربت لعل شکر بار تو خوش ❁ قند نوشان سخن در ذوق گفتار تو خوش
چوں نہ آید دل بکف ہر کس بہ باز ار تو خوش ❁ دلبرا چوں ہست با دلہا سرو کار تو خوش
حرص در آرایش و تخت و تجمل گہ نشد ❁ بندہ ام من در فضائے ظل دیوار تو خوش
جام و خم بگذار ساقی نرگس مستت کشا ❁ چشم سرشار تو خوش ہم ذوق مئے خوار تو خوش
ساقیا تکلیف از جام و مئے و ساغر مکن ❁ مستیم ہست از نگاہ چشم سرشار تو خوش
بر جراحات تنم ہر گز منہ از مرہمے ❁ خوئے زخمم لذت شور نمک زار تو خوش
می فشاں اے شور ریز از ملح حسنت تا بود ❁ کاش ہر زخمم نمکدان نمک زار تو خوش
شرط ہمت ہست بر اموال و جاں موقوف نیست ❁ اغنیا باشد کہ مسکیں ہر خریدار تو خوش
این عجب در دام تو صیاد می بینم صفت ❁ در بہار گلستاں ہم نو گرفتار تو خوش
می کنی اغیار را مانوس در بزمت چرا ❁ عاشقاں ہستند اے جاں ناز بردار تو خوش
من نیم تنہا غلام حلقۂ درگاہ تو ❁ ہر خلف بعد از سلف در کفش بردار تو خوش
حلقۂ گیسوئے تو دام است اے دلکش مرا ❁ تار گیسویت کمند ما گرفتار تو خوش

درخلوص بندگی خود کارفرما هست تو ❁ دلکش ما هست بخت ما طلب گار تو خوش

جز ولائے تو ندارد هر که هیچ از زاد ره ❁ می رود سوئے تو در عشقت گرفتار تو خوش

چوں نباشد هر زماں آبادیٔ بازار تو ❁ هست چوں سودا خوش و آئین بازار تو خوش

قامتت مجموعۂ حسن است اے سرو چمن ❁ موج رفتار تو در هر طرز رفتار تو خوش

مایۂ دل هست کم چوں بر متاع حسن تو ❁ نرخ بالا کن که نقد جنس بازار تو خوش

تو سراپا رحمت و لطف و کرم بر عاصیاں ❁ چوں نہ مستقبل شود روشن گنہگار تو خوش

جاں سپر دم زیر ایوانت که باشم خاک ره ❁ یادگارے مشت خاکم زیر دیوار تو خوش

تیغ بسمل یا ہلال عید می گوید کسے ❁ هر چه گوید جمله در ابروئے خمدار تو خوش

شعلۂ عشقت نہاں از موئے تن آمد بروں ❁ موئے تن آتش زباں در شعلۂ نار تو خوش

خود بیا بالین ما یا خاک درگاهت فرست ❁ هر چه باشد در علاج درد بیمار تو خوش

همچو من صد صید می آید اگر اے دل چه شد ❁ تیر و تیر انداز و انداز کماں دار تو خوش

جز تماشائے جمالت آرزوئے نیست بس ❁ دیدۂ ثاقب بود هر دم بدیدار تو خوش

می سرائی نغمۂ عشق از رگ و جاں آنچناں
می بر آید ثاقبا آواز هر تار تو خوش

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

نعت شریف

- حضرت مولانا سید شاہ فقیہ محمد علی حبیب نصر پھلواروی قدس اللہ سرہ العزیز
- ترجمۂ منظوم: مولانا محمد فصیح الدین عاصم قادری — خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

نعت شریف

مکین لامکان باشد محمد ﷺ
نشانِ بی نشان باشد محمد ﷺ
جمالِ دلبران باشد محمد ﷺ
خیالِ عارفان باشد محمد ﷺ
وجودِ عالم از انوار اوشد
زمین و آسمان باشد محمد ﷺ
زنور اوست پیدا ہر چہ بینی
ہمہ کون و مکان باشد محمد ﷺ
بعہد خود نہ تنہا بود پیدا
بہر جزو زمان باشد محمد ﷺ
بہر چیزے ظہور نورِ او ہست

ترجمۂ منظوم

مکین لامکاں ہیں وہ محمد ﷺ
نشان بے نشاں ہیں وہ محمد ﷺ
جمال دل براں ہیں وہ محمد ﷺ
خیال عارفاں ہیں وہ محمد ﷺ
وجودِ عالم ان کے نور سے ہے
زمین و آسماں ہیں وہ محمد ﷺ
دکھے جو، نور سے پیدا ہے ان کے
ہمہ کون و مکاں ہیں وہ محمد ﷺ
بہ عہد خود نہ تنہا تھے وہ پیدا
بہر جزو زماں ہیں وہ محمد ﷺ
ہر اک شے میں ہے ان کا نور ظاہر

تمام کن فکان باشد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
بہ جملہ یافتم ذوق لقایش
ظہور این وآن باشد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ز رنگ و بوے او باغ جہان شد
بہار بوستان باشد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
چہ پرسی در قیامت رتبۂ او
امام مرسلان باشد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جہانے یافت از وے رستگاری
نجات دو جہان باشد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
لبِ لعلش دوائے درد مندان
شفائے عاشقان باشد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
بروز حشر غم خوار جہان ست
ظہیر مومنان باشد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ہمہ چشمیم و او نور بصارت
ہمہ جسمیم و جان باشد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
چہ غم داری ز عصیان خود اے نصرؔ
شفیع عاصیان باشد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مکمل کن فکاں ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
لقا کا ذوق ان کا جملہ پاؤں
ظہور این و آں ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
انہی کا رنگ و بو باغ جہاں میں
بہار بوستاں ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نہ پوچھو حشر میں تم ان کا رتبہ
امام مرسلاں ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ملی ان سے جہاں کو رستگاری
نجات دو جہاں ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
دوائے دردمنداں ان کا لب ہے
شفائے عاشقاں ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
بروز حشر غم خوار جہاں ہیں
ظہیر مومناں ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ہم آنکھیں، وہ مرے نور بصارت
فقط ہم جسم و جاں ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
رکھیں عصیاں کا غم اے نصرؔ کیوں کر
شفیع عاصیاں ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نعت شریف

مصرع طرح
”یارب! ہمارا حشر ہو آلِ عبا کے ساتھ“

● محمد آیت اللہ قادری پھلواروی

بتاریخ ۷؍ ذی قعدہ ۱۴۴۶ھ مطابق ۶؍ مئی ۲۰۲۵ء خانقاہ چشتیہ نظامیہ شاہ ٹولی داناپور کے سالانہ عرس کے موقع پر منعقد طرحی مشاعرہ میں منتظم عرس کی خواہش پر جناب حضور حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی نے مذکورہ مصرع طرح پر جو تضمین تخلیق کی تھی اور محترم شاہ طلحہ رضوی برق صاحب مدظلہ کے خلف اکبر شاہ بلال رضوی صاحب نے اس کلام کو شرکاء و شعراء کے محضر میں پیش کیا تھا، وہ قارئین کے ذوق سخن کی نذر ہے—(ادارہ)

مل جائے کشف حق ہمیں خیر الوری کے ساتھ ❁ یارب! ہمارا حشر ہو آلِ عبا کے ساتھ
ہر طرف سے عدو کے مظالم ہیں ہم پہ آج ❁ رحمت خدا کی بھیجئے اپنی دعا کے ساتھ
رنگیں ہمارے خون سے اعدا کے ہیں دامن ❁ غزہ شکستہ حال ہے اپنی بقا کے ساتھ
دست دعا اٹھائے خدا سے ہیں ملتجی ❁ بس ان کی آبرو رہے ہم بے نوا کے ساتھ
ایمان اور عمل میں کمی، پر ہے آپ سے ❁ بخشش کا آسرا ہمیں اتنی خطا کے ساتھ
عزت ہماری آپ سے ہے اور رہے یقین ❁ منزل ملے گی آپ کے بس نقش پا کے ساتھ

دکھلائیے حضور ہمیں جلوۂ ازل ❁ خلق خدا سکھائیے اپنی ادا کے ساتھ
یارب مجھے بھی بخش دے از راہ لطف اب ❁ فقر نبی کی لذتیں مشکل کشا کے ساتھ
دیدار کی طلب ہے، خدارا مرے حضور! ❁ شاداب چشم سر ہو رسولِ نما کے ساتھ
تشنہ رہوں میں کب تلک، عرفان حق کا جام ❁ آقا عطا ہو مجھ کو، مجیب علا کے ساتھ
لیجیئے خبر اے شاہ دیں! وقت مدد ہے یہ ❁ اعدا سروں پر ہیں کھڑے جور و جفا کے ساتھ

آیتؔ ہزار بار صلاۃ و سلام ہو
ہر لمحہ ان کی ذات پہ آل عبا کے ساتھ

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

برائے مضمون نگار حضرات

- مجلہ ''المجیب'' کے لئے خالص علمی و ادبی مضامین چند شماروں تک قسط وار شائع کئے جا سکتے ہیں۔ باقی شخصیاتی مضامین ملخص کر کے ادارہ کو بھیجیں، بصورت دیگر ادارہ معذرت خواہ ہے۔
- جو بھی مضامین ارسال کریں وہ خالص المجیب کے لئے ہوں کسی دوسری جگہ نہ بھیجیں، انٹرنیٹ پر ادارہ کی وضاحت کے ساتھ پوسٹ کریں تا کہ مجلے کا معیار برقرار رہ سکے۔
- مضامین کمپوز اور نظر ثانی کے بعد ارسال کریں۔
- مضمون کے پہلے یا آخری صفحہ پر اپنا پورا نام و پتہ ضرور لکھیں۔
- مضامین بھیجتے وقت اس کی نقل اپنے پاس رکھیں، مضامین گم ہونے کی صورت میں ادارے پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔

سرکولیشن منیجر

غزل

● جناب سہیل کاکوروی

جناب سہیل کاکوروی صاحب لکھنؤ کے مشہور کہنہ مشق شاعر ہیں، کاکوری وطن ہے، خانقاہ کاظمیہ کاکوری (لکھنؤ) سے تعلق ہے، حضرت شاہ مصطفےٰ حیدر قلندر رحمۃ اللہ علیہ (سجادہ نشین خانقاہ کاکوری) کے دست گرفتہ ہیں۔ موصوف نے یہ غزل المجیب میں اشاعت کے لئے بھیجی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت شاہ ابوتراب آشنا پھلواروی قدس سرہ (م: ۱۲۰۷ھ) کی ایک غزل کے چند اشعار ؎

از گریباں چند تارے ماندہ است ❁ اے جنوں دستے کہ کارے ماندہ است
تند مگذر اے صبا در کوئے او ❁ بر درش از ما غبارے ماندہ است
بر در و دیوار او از خون من ❁ سالہا نقش ونگارے ماندہ است

کا ترجمہ بھی انہوں نے اس میں شامل کر دیا ہے۔ موصوف کے شکریہ کے ساتھ یہ غزل شریک اشاعت کی جا رہی ہے — (ادارہ)

گریباں کے ہیں چند بس تار باقی ❁ ہے دست جنوں کا یہی کار باقی
رہے یہ مرا بخت بیدار باقی ❁ رہے اس کا پر لطف اقرار باقی
صبا تیز مت اس کے در سے گزرنا ❁ وہاں ہے غبار دل زار باقی
میرے خوں سے ہے خانۂ حسن رنگیں ❁ کہ برسوں رہے گا یہ اظہار باقی
پس مرگ بھی مجھ کو اس کا یقیں ہے ❁ رہے گا یہ عشق مزیدار باقی

اسی میں ہماری بقا کی حقیقت ❁ مبارک ہے یار طرح دار باقی
خوشا مصطفےٰ حیدر شاہ شاہاںؒ ❁ عنایات کا بحر ذخار باقی
سہیلؔ آشنا اور میں ناز گلشن
کہ ہم میں ہے گل رنگ دلدار باقی

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

شرح اشتہار

سہ ماہی مجلہ المجیب

دنیائے علم وادب کا مقبول عام سہ ماہی مجلہ ’’المجیب‘‘ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کا ترجمان —— ایک دینی، علمی وادبی مجلہ ہے جو کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ملک وبیرون ملک ہر جگہ اس رسالہ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ یہ رسالہ علماء، ادباء، معلمین و متعلمین، افسران وعہدہ داران بلکہ ہر خاص وعام کے ذوق مطالعہ میں رہتا ہے —— اور ہر طبقہ وجماعت کے لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

لہٰذا باذوق تاجرین اور تنظیم وتحریک کے مالکان سے پرخلوص گذارش ہے کہ اس مقبول ترین رسالہ میں اپنا اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں —— اور اپنے نام وپتہ کے ساتھ پیشگی رقم ارسال فرمائیں۔ اشتہارات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ملٹی کلر اشتہار

پشت سرورق	مکمل صفحہ	5,000/-	نصف صفحہ	2,500/-	چوتھائی صفحہ	1,250/-
اندرون سرورق	مکمل صفحہ	4,000/-	نصف صفحہ	2,000/-	چوتھائی صفحہ	1,000/-

سادہ اشتہار

اندرون مجلہ	مکمل صفحہ	3,000/-	نصف صفحہ	1,500/-	چوتھائی صفحہ	750/-

خواہش مند حضرات اپنے اشتہارات کے ساتھ پیشگی رقم ادارہ کو پہلی فرصت میں مرحمت فرمائیں تاکہ ان کے آرڈر کو حتمی شکل دی جاسکے۔

PhonePe & GPay : +91-7250433562

غزل

● وارث ریاضی— کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج، بسوریا، مغربی چمپارن

نہ ان سے خوش گماں میں ہوں، نہ ان سے بدگماں میں ہوں ❁ خدا جانے یہ ایس کیفیتِ حیراں کہاں میں ہوں؟
ترس آنے لگا دنیا کو میری بے قراری پر ❁ کہ مدت سے فدائے کوچۂ نامہرباں میں ہوں
تجھے اپنے سوا کچھ بھی دکھائی ہی نہیں دیتا ❁ جہاں جانِ غزل! تو جلوہ فرما ہے، وہاں میں ہوں
جدا جب سے ہوا ہے تو، ہنسی آئی نہیں مجھ کو ❁ نہ جانے کب سے فرقت میں تیری محوِ فغاں میں ہوں؟
الٰہی! تو نے مجھ کو اس قدر مجبور کر ڈالا ❁ نکل سکتا نہیں گھر سے کبھی، وہ ناتواں میں ہوں
مرے احباب سارے مجھ سے اب بچ کر نکلتے ہیں ❁ نہیں معلوم کیوں ان کے لئے بارِ گراں میں ہوں؟
جہاں میں علم و دانش کی قیادت میں نے کی صدیوں ❁ زمانہ جانتا ہے آگہی کا رازداں میں ہوں
غلط ہے، اس نے مجھ کو دشمن قوم و وطن سمجھا ❁ ازل کے دن سے ہی امن و اماں کا پاسباں میں ہوں
تو بزمِ ناز میں جگ مگ ہے جگنو کی طرح، لیکن ❁ تیری بزمِ اداکاری میں مثلِ کہکشاں میں ہوں

خدا کے فضل سے نازاں ہوں وارثؔ اپنی قسمت پر
کہ شیدائے پیامِ ہادیِ کون و مکاں میں ہوں

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

کوائف وحالات

● ادارہ

راز و نیاز بلبل وگل ہم سے پوچھئے ❖ نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی.......................کچھ دوسروں کی

غزہ میں قتل عام

سرزمین غزہ میں یہودی وصہیونی ظالموں کی طرف سے فلسطینی مسلمانوں کا قتل عام جاری ہے۔ ہر روز اسرائیلی بمباری سے کم وبیش سو افراد کی شہادت کی خبر آتی رہتی ہے جس میں کثرت سے خواتین اور چھوٹے بچے بچیاں شہید ہو رہے ہیں۔ غزہ ملبہ کا ڈھیر بن چکا ہے۔ اسپتالوں اور اسکولوں پر بھی جہاں مظلوم فلسطینی پناہ لیتے ہیں اور ان کا معمولی علاج ہوتا ہے بمباری ہو رہی ہے۔ یہ سب امریکہ کی مکمل حمایت اور اس کے اسرائیل کو دیئے ہوئے مہلک ہتھیاروں کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ حالات اتنے خراب ہیں کہ عیسائیوں کا سب سے بڑا مذہبی رہنما او روٹیکن سیٹی کا پاپائے اعظم چیخ اٹھا کہ یہ قتل عام کب تک جاری رہے گا۔ وہ اپنے بیان میں کہتا ہے کہ غزہ کے مظلومین کی چیخیں آسمان تک پہنچ رہی ہیں۔ کاش ہمارے نام نہاد مسلم حکمراں جو اس قتل عام پر اپنی زبانوں پر تالہ لگائے ہوئے ہیں ان کی نظر میں بھی فلسطین کے عوام اور معصوم بچوں اور بے کس خواتین کی کچھ اہمیت ہوتی اور وہ اس سلسلے میں پیش رفت کرتے۔ ان کی مسلم کاز سے بے اعتنائی کا یہ حال ہے کہ ابھی چند دنوں قبل اس قتل عام میں شریک امریکی صدر ٹرمپ عرب ممالک میں آ کر اربوں ڈالر کا خراج لے کر گیا ہے۔

حادثۂ پہلگام

کشمیر کے پہلگام میں اپریل کے مہینے میں دہشت گردوں کا ایک قابل مذمت حملہ ہوا جس میں اٹھائیس افراد ہلاک

ہوئے۔جن میں ہندو مسلم دونوں تھے، یہ سب سیاح تھے جو کشمیر گھومنے آئے تھے۔اس واقعہ کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے، کشمیری مسلمانوں نے ان کی قابل تعریف خدمت کی، ان کو وہاں سے اٹھا کر ہوٹلوں تک لائے۔اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ کشمیر جیسی جگہ جہاں چپہ چپہ پر فوج موجود رہتی ہے، اس وقت نہ وہاں پر فوج تھی اور نہ پولیس، دہشت گرد اطمنان سے گولیاں برساتے رہے، ان کو روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ڈیڑھ گھنٹے کے بعد فوج آئی۔دہشت گرد کس طرح بارڈر کراس کر کے غیر ملک سے آئے اور کس طرح دوبارہ واپس چلے بھی گئے کسی کو پتہ نہیں ہے۔یہ بارڈر سیکوریٹی فوج کی بہت بڑی ناکامی ہے۔

اس دہشت گردانہ حملے کا پڑوسی ملک پاکستان پر الزام لگا اور بدلہ میں ہماری بہادر ہندوستانی فوج نے دہشت گردی کے متعدد ٹھکانوں پر حملے کر کے ان کو نیست ونابود کر دیا۔جواب میں اس طرف سے بھی حملے ہوئے۔آخر امن کے سب سے بڑے نام نہاد ٹھیکیدار امریکہ کے کہنے پر جنگ بند ہوئی۔

وقف ایکٹ

حکومت ہند کے منظور کردہ وقف ایکٹ کے خلاف آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ذریعہ پورے ملک میں احتجاج کا سلسلہ جاری ہے، بہار میں بھی تمام ملی تنظیمیں مل کر جلسے کر رہی ہیں، پرسنل لاء بورڈ اور جمیعۃ علماء ہند و دیگر لوگوں کی طرف سے سپریم کورٹ میں اس کے خلاف کیس کیا گیا ہے، جس کی کارروائیاں چل رہی ہیں، ہوسکتا ہے کہ جلد ہی فیصلہ آجائے، خدا کرے یہ فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہو اور اس سیاہ قانون کی وجہ سے اوقاف کی تمام جائیدادوں کو جو خطرہ لاحق ہو گیا ہے وہ دور ہو جائے۔ اوقاف مسلم واقفوں نے اپنی زمین دے کر قائم کئے تھے، ان میں مساجد، مدارس، قبرستان، شفاخانے، درگاہیں، امام باڑے سب ہیں، اس ایکٹ سے سب کا وجود خطرہ میں پڑ گیا ہے۔چونکہ یہ اوقاف ہزاروں کروڑ کی قیمت کے ہیں اس لئے حکومت ان کو ہڑپنا چاہتی ہے۔مسلمانوں کو پوری طاقت وقوت سے اس کا دفاع کرنا چاہئے۔

معمولات خانقاہ بماہ محرم الحرام

حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ پیر محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہٗ کے عہد مبارک سے عاشورہ کے دن حضرت امام حسین علیٰ جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا قل ہوتا آرہا ہے۔۱۰ر محرم الحرام یوم عاشورہ نصف النہار کے وقت قل ہوتا ہے اور قل کے بعد فضائل امام ہمام ومختصر ذکر شہادت ہوتا ہے اور اسمائے شہدائے کربلا پڑھے جاتے ہیں۔اس کے بعد فاتحہ وایصال ثواب پر محفل اختتام پذیر ہوتی ہے۔

۲۴ر محرم الحرام کو حضرت کرسی نشین ولایت فرد الاولیاء مولانا شاہ ابوالحسن فردؔ قدس سرہٗ کا عرس ہوتا ہے۔ ۲۴ر کی شب میں اور ۲۴ر کے دن میں قل ومحفل سماع کا اہتمام ہوتا ہے۔

معمولات خانقاہ بماہ صفر المظفر

۵ رصفر المظفر عرس حضرت مولوی معنوی سید شاہ محمد عبد الحق قادری پھلواروی قدس سرہٗ شب ۵ رو روز ۵ رکو قل اور مجلس ہوتی ہے اور اسی دن عصر کے بعد حزب البحر کا نصاب دیا جاتا ہے اور لوگ اعتکاف میں بیٹھتے ہیں۔ یہ خصوصیات عہد پاک حضرت اقدس فیاض المسلمین قدس سرہٗ سے ہے۔

۱۶ رصفر المظفر عرس حضرت بدر الکاملین فیاض المسلمین امیر شریعت شیخ الطریقت مولانا الحاج سید شاہ محمد بدر الدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ العزیز ۱۵ رصفر دن گزار کر شب ۱۶ رو روز ۱۶ رکو قل و مجلس ہوتی ہے۔

۲۹ رصفر المظفر حضرت سیدنا امام ہمام امام حسن مجتبیٰ علیٰ جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا عرس مبارک ۲۹ رکی شب میں قل و محفل سماع کا اہتمام ہوتا ہے۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

ضروری اعلان

مدت خریداری معلوم کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ کے نام و پتہ کے اوپر جہاں مثلاً 2730/08(Upto Dec.2023) لکھا رہے، اس کا مطلب ہے کہ آپ کا خریداری نمبر 2730/08 ہے اور Upto Dec.2023 کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری دسمبر ۲۰۲۳ء میں ختم ہوگئی ہے، آپ کے ذمہ ۲۰۲۴ء کا زرتعاون باقی ہے۔

براہ کرم پہلی فرصت میں اپنی خریداری فیس ادارہ "المجیب" کو ارسال کرکے اپنے ممبرشپ کو جاری رکھیں، رقم بھیجنے کے بعد رسید ضرور حاصل کریں اور رقم بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر اور پورا پتہ لکھیں ــــ(سرکولیشن منیجر)

QR

WhatsApp, PhonePe & GPay : +91-7250433562

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی موجودہ چند اہم مطبوعات

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف / مرتب / مترجم	قیمت
01	الباقیات الصالحات	بدرالکاملین حضرت مولانا سید شاہ محمد بدرالدین قادریؒ	50/-
02	سوانح حضرت محی الملۃ والدین	حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ	100/-
03	سوانح حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی ؒ	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	100/-
04	آداب وفضائل درود وسلام ملحقہ روح کائنات	حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ	90/-
05	اسلام میں بدعت کا مفہوم	حضرت مولانا شاہ محمد عزالدین قادریؒ	30/-
06	عرس اور اس کی معنویت وحقیقت	حضرت مولانا محمد شفیع اللہ سہسرامیؒ	30/-
07	سفرنامہ حیات (خودنوشت سوانح)	حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ	150/-
08	بستان الاکرام اُردو ترجمہ تذکرۃ الکرام	جناب پروفیسر سید اسد علی خورشید قادری	300/-
09	رسالہ نماز برائے اطفال	جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ	50/-
10	حضرت مریم علیہا السلام	مولانا سید لطف اللہ قادری	60/-
11	احوال مولائے کائنات	حضرت فیاض المسلمینؒ / جناب حضور مدظلہ العالی	140/-
12	سیرت پیر مجیب (جدید ایڈیشن مع اضافہ)	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	400/-
13	خانوادۂ سیدہ زینب بنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہما	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	200/-
14	نغمات الانس فی مجالس القدس	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	350/-
15	یزید حقائق کے آئینے میں (جدید ایڈیشن مع اضافہ)	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	100/-
16	خانقاہ تاج العارفین	مولانا محمد سجاد حسین قادری مجیبی	100/-
17	رسالہ قنوت نازلہ	حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ	20/-
18	صلوات اللہ الجلیل علی نبیہ الحبیب الجمیل	حضرت فیاض المسلمینؒ / جناب حضور مدظلہ العالی	500/-
19	شب برأت اہل سنت کے معاشرے میں	مولانا محمد سجاد حسین قادری مجیبی	120/-
20	القول السدید لدفع المتعصب العنید	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	50/-
21	بدعت اک مختصر جائزہ (اردو)	جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ	20/-
22	بدعت اک مختصر جائزہ (انگریزی)	مترجم : جناب محمد شاہد حسین قادری	40/-
23	الخطبات النافعۃ للعیدین والجمعۃ	جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ	300/-
24	ایک بے مایہ کا سفر حج	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	300/-
25	خلافت وملوکیت اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ	جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ	400/-
26	حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد اور تحریک امارت	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	50/-
27	ردائے رحمت	حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ	250/-
28	سفرنامۂ عراق	حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ	50/-
29	نسیم شمال	جناب محمد بشیر شاداں فاروقی دربھنگوی	400/-
30	مسئلۃ المصافحہ — ضمیمہ، ترتیب، تخریج وتحشیہ	حضرت امام المتقینؒ / جناب حضور مدظلہ العالی	170/-

ISSN 2320-8600 The ALMUJEEB Quarterly
Vol.No.:65
April, May & June 2025
Sl.No.:02
The only most widely circulated Urdu Quarterly of Bihar
Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna - 801505 Bihar (INDIA)
Cell : +91-9942000618, 0612-3181835, E-mail : almujeebquarterly@gmail.com, http://khanquahmujeebia.org

سہ ماہی مجلہ المجیب کی خصوصی اشاعت

حضرت رسول نما بنارسی نمبر

حسب ارشاد سرپرست مجلہ، زیب سجادۂ مجیبی

جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی

....

صاحب النسبۃ الاویسیۃ سیدنا ومولانا سید محمد وارث رسول نما بنارسی قدس سرہ العزیز استاذ گرامی و مرشد اعظم سیدنا تاج العارفین قدس سرہ کے حالات وکمالات وخدمات پر مشتمل ایک خصوصی اشاعت بہ عنوان "حضرت رسول نما بنارسیؒ نمبر" زیر ترتیب ہے۔ جس میں عرس حضرت رسول نماؒ کی صد سالہ تقریب منعقدہ: ۱۵؍ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۶؍نومبر ۱۹۸۸ء بمقام آستانۂ بنارس میں پڑھے گئے مقالات اور موضوع کے تحت دیگر مضامین شامل ہوں گے۔

ان شاء اللہ سہ ماہی المجیب کا آئندہ شمارہ (جولائی تا ستمبر ۲۰۲۵ء) حضرت مولانا رسول نما قدس سرہ کی بارگاہ اقدس میں خراج عقیدت کے طور پر شائع کیا جائے گا۔

Edited by Dr. Shah Fatahullah Quadri; published by Syed Mohammad Minhajuddin Quadri on behalf of Mujeebia Educational & Welfare Trust; published from Darul Esha'at, Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna - 801505, Bihar (India); and printed at Pakiza Offset Press, Dargah Road, Patna - 800006